BUDE-142

میر امن دہلوی کا خصوصی مطالعہ

Special Study of Meer Amman Dehlavi

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومنٹیز

بلاک

2

میرِ امن دہلوی کا فن (حصہ اول)

بلاک 2 کا تعارف

اکائی 4
فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی 35

اکائی 5
میرِ امن دہلوی کا اسلوب 45

اکائی 6
میرِ امن دہلوی کی داستان نگاری 59

اکائی 7
باغ و بہار اور اس کا ماخذ-نوطرز مرصع 71

بلاک 2 تعارف

بلاک 2 - میر امن دہلوی کا فن (حصہ اول) ہے اس میں کل 4/اکائیاں ہیں، جن کے بالترتیب موضوعات یہ ہیں، 'فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی'، 'میر امن دہلوی کا اسلوب'، 'میر امن دہلوی کی داستان نگاری'، 'باغ و بہار اور اس کا ماخذ-نوطرز مرصع'۔

دوسرے بلاک کی پہلی یعنی اس کورس کی چوتھی اکائی 'فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی' ہے اس میں فورٹ ولیم کالج کا تعارف، قیام کے مقاصد، اسکی اہمیت وافادیت اور علمی وادبی خدمات کے تنقیدی مطالعہ کے ساتھ ساتھ میر امن کی فورٹ ولیم کالج سے وابستگی اور ان کے اہم کارناموں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

پانچویں اکائی (میر امن دہلوی کا اسلوب) ہے اس اکائی میں میر امن دہلوی کے متاثر کن نثری اسالیب کی تفاصیل پیش کی گئی ہے۔

چھٹویں اکائی (میر امن دہلوی کی داستان نگاری) میں میر امن دہلوی کی داستان نگاری کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ساتویں اکائی (باغ وبہار اور اس کا ماخذ-نوطرز مرصع) میں میر امن دہلوی کی داستان 'باغ وبہار' اور اس کے ماخذ-نوطرز مرصع کی توضیح کی گئی ہے۔

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اکائی 4 فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی

ساخت

4.1 اغراض ومقاصد

4.2 تمہید

4.3 فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی

4.3.1 میر امن دہلوی: عہد، حیات اور فن

4.3.2 فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی

4.3.3 فورٹ ولیم کالج سے منسلک میر امن دہلوی کے رفقاء

4.4 آپ نے کیا سیکھا

4.5 اپنا امتحان خود لیجیے

4.6 سوالوں کے جوابات

4.7 فرہنگ

4.8 کتب برائے مطالعہ

4.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- میر امن دہلوی کے عہد، حیات اور فن سے متعارف ہوں گے۔
- فورٹ ولیم کالج کے قیام اور مقصد کے بارے میں جانیں گے۔
- فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی کی قدر و قیمت کو سمجھیں گے۔
- اردو نثر کے ارتقا میں میر امن اور فورٹ ولیم کالج کی حصہ داری سے واقف ہوں گے۔

4.2 تمہید

اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں تبدیلیاں آنے کی وجہ سے زندگی نئے رنگ اختیار کر رہی تھی۔ مغلیہ سلطنت کمزور پڑ گئی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کاروبار کے بہانے ملک کے حاکموں کو اپنے چنگل میں پھنسانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ انگریزوں نے کاروباری کمپنی قائم کرنے کے بعد زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی دخل اندازی شروع کیا اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے تعلیمی شعبے پر قابض ہونے کی کوشش کی۔ اسی کے ساتھ ہندوستانی علوم میں دلچسپی بھی لینے لگے تھے جس کے نتیجے میں ادبی نثر کی ترقی کا ماحول تیار ہو گیا۔ یہی وقت تھا جب یوروپ کے کچھ عالموں اور ادیبوں کو اردو نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اردو نثر کی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج کا

قیام سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ 1798 میں لارڈ ویلزلی گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آئے۔ انھوں نے کمپنی کے کام پر غور وخوص کرنے کے بعد اس کے ملازمین کو ہندوستانی زبان میں اعلیٰ تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے 10 جولائی 1800 کو فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ اردو ادب میں میر امن کی شخصیت مثالی بھی ہے اور منفرد بھی۔ انہوں نے اردو نثر کے ساتھ داستان گوئی کے فن کو بھی ایک نئے انداز میں پیش کیا۔ اپنی مختصر ادبی زندگی میں میر امن کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اب ہم فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی کا تفصیلی مطالعہ کریں گے۔

4.3 فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی

4.3.1 میر امن دہلوی: عہد، حیات اور فن

میر امن دہلوی جن کو ہم میر امان کے نام سے بھی جانتے ہیں دہلی کے رہنے والے تھے۔ شاعری کا بھی شوق تھا اور لطف تخلص رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں سوائے 'باغ و بہار' کے دیباچے میں انہوں نے اپنی زندگی کے جو احوال بیان کیے ہیں۔ اسی سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ وہ اٹھارویں صدی میں محمد شاہ کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ بعض محققین کے مطابق ان کی پیدائش 1750 کے آس پاس ہوئی۔ خود میر امن کے مطابق ان کی دس پانچ پشتوں کا قیام دہلی میں رہا ہے۔ ان کے آبا و اجداد ہمایوں کے عہد سے ہی بادشاہوں کے دربار سے وابستہ رہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ سورج مل جاٹ نے جاگیریں ضبط کرلیں اور احمد شاہ درانی کے حملوں میں گھر بار تباہ ہو گئے۔ اس لیے دہلی سے ہجرت کے لیے مجبور ہو گئے اور اہلِ خانہ کے ساتھ 1761 میں عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے۔ کچھ عرصہ تک پٹنہ میں قیام کے بعد تلاشِ روزگار کے سلسلے میں تنہا کلکتہ گئے۔ وہاں نواب دلاور جنگ کے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کے معلم مقرر ہوئے۔ وہاں دو سال ملازمت کرنے کے بعد میر بہادر علی کے توسط سے جان گل کرسٹ تک پہنچے اور فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوئے اور شعبۂ ہندوستانی سے منسلک ہو گئے۔ 14 مئی، 1801 کو 40 روپے ماہوار پر بحیثیت منشی تقرری ہوئی۔ 5 برس تک فورٹ ولیم کالج سے منسلک رہنے کے بعد ایک انگریز طالب علم کو پڑھانے سے انکار کرنے پر چار مہینے کی پیشگی تنخواہ دے کر ملازمت سے برطرف کر دیے گئے۔ کالج سے سبکدوشی کے بعد کی ان کی زندگی کے متعلق کچھ خاص معلومات فراہم نہیں ہیں۔ لیکن یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کے بعد زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہے ہوں گے کیونکہ ضعیفی اور جسمانی کمزوری بھی ان کی ملازمت سے سبکدوشی کی وجہ تھی۔ ان کی جائے وفات کا بھی کچھ پتہ نہیں ہے۔

میر امن نے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے پہلے یا بعد میں تصنیف و تالیف کا کوئی کام نہیں کیا۔ انہوں نے فورٹ ولیم کالج کی پانچ سالہ ملازمت کے دوران دو تصانیف تحریر کیں 'باغ و بہار' اور 'گنج خوبی' جس کے لیے انہیں تنخواہ ملتی تھی۔ دراصل میر امن کا نام باغ و بہار اور فورٹ ولیم کالج کے حوالے سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔ باغ و بہار قصہ چہار درویش اور گنج خوبی اخلاق محسنی کا اردو ترجمہ ہے۔

اردو کی شاہکار داستان 'باغ و بہار' ایک ایسی تخلیق ہے جسے میر امن نے ایک فارسی قصے کو نئے رنگ و آہنگ میں پیش کیا۔ ترجمے میں انہوں نے جن دو باتوں کا خیال رکھا وہ تھیں گلکرسٹ کی ہدایت کہ 'ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں اسے پیش کیا جائے جو ہندو، مسلمان، عورت، مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں اور ان محاوروں کا استعمال ہو جو عام لوگ بول چال میں استعمال کرتے ہیں'۔ میر امن نے قصہ 'نوطرز مرصع' سے لیا مگر اس میں اپنی تخلیقیت کے رنگ و آہنگ کی آمیزش سے ایسا روپ دیا کہ اس پر ان کے طبع زاد قصہ ہونے کا گمان ہونے لگا۔ باغ و بہار سے پہلے کی تصانیف کو عوام و خاص میں یکساں مقبولیت حاصل نہیں تھی۔ یہ نثر لوگوں کی گفتگو اور روزمرہ سے قریب تھی۔ میر امن کی نثر آسان، سلیس، رواں اور فطری تھی اس لیے لوگوں نے اسے اپنے اظہار کا ذریعہ بنانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بعد کے دور میں غالب نے بھی ان کی نثر کو بنیاد بنا کر اپنے خطوط کے ذریعے جدید اردو نثر کی بنیاد ڈالی۔ اردو نثر میں پہلی بار میر امن نے مکالموں کو گفتگو کی شکل میں پیش کیا۔ جس کی انہیں خوب داد ملی۔ میر امن کو تمام طبقات کے افراد کی زبان پر مہارت حاصل تھی اس لیے انہوں نے اپنے تمام کرداروں کے لیے ان کی مخصوص زبان کا استعمال بھی کیا ہے۔ ان کے فن میں قصہ گوئی کے تمام ہنر موجود ہیں۔ داستان میں مافوق الفطری عناصر کے ذکر کے باوجود قصہ بہت فطری انداز میں آگے بڑھتا ہے۔ میر امن کا کمال یہ ہے کہ کرداروں اور قصوں پر ان کی یکساں پکڑ ہے۔ میر امن زبان اور تہذیب و ثقافت کو ایک مانتے ہیں۔ باغ و بہار کی زبان کو زندہ نثر کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سید عبداللہ کا یہ بیان پیش ہے:

''باغ و بہار کی نثر کو زندہ کہنے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس کے آئینے میں ہمیں مصنف کی ذات اور اس زمانے کا عکس اتنا صاف صاف دکھائی دیتا ہے اور اس دور کی زندگی اس طرح واضح طور پر دکھلائی دیتی ہے اور اس دور کی زندگی اس طرح واضح طور پر نقش پذیر ہوگئی ہے کہ داستان ہونے کے باوجود اس میں دلی کے در و دیوار اور اس کے اشخاص و افراد کی چلتی پھرتی بلکہ بولتی چالتی تصویریں نظر آنے لگتی ہیں۔ ''باغ و بہار'' کو اس لیے بھی زندہ نثر کی کتاب کہا گیا ہے کہ اس میں باتیں کرنے یا کہنے کا انداز بالکل فطری اور قدرتی ہے۔ اس کی زبان اس زمانے کی عام لوگوں کی زبان ہے اور اس لحاظ سے اجتماعی زندگی کی سچی ترجمان ہے۔"

میر امن نے فارسی اور عربی روایات سے گریز اور ہندوی لہجے کو اپنایا اس طریقۂ کار میں انھوں نے قواعد کا بھی زیادہ خیال نہیں رکھا۔ انہوں نے سنسکرت اور بھاشا کے الفاظ کا بہت خوبصورت استعمال کیا ہے۔ میر امن کے اسلوب اور معاشرت کی مرقع نگاری میں ان کے فن کا کمال دکھتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میر امن نے ایک نیا نثری اسلوب عطا کیا اور تقریر کی زبان کو تحریر کی زبان بنا دیا۔ ان کے پاس عوام و خواص کی بول چال کا جو خزانہ موجود تھا اسے اپنی تحریر کا حصہ بنا دیا۔ ان کا مطالعہ اور مشاہدہ دونوں وسیع تھا شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر کردار کے لحاظ سے زبان کا استعمال کیا ہے۔ ان کے بیان سادہ اور بے تکلف ہوتے ہیں۔ یہی ان کے فن کی خوبی بن گئی۔

4.3.2 فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی:

جیسا کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ فورٹ ولیم کالج کا قیام یونہی نہیں ہوا تھا بلکہ اس ادارہ کا قیام ایک بڑے مقصد کے حصول کے لیے عمل میں آیا تھا۔ انگریز حکمرانوں نے اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اس ادارہ کو قائم کیا تا کہ بڑے مقصد کے حصول کو ممکن بنایا جا سکے۔ کیوں کہ لارڈ ولزلی جب گورنر بنا کر ہندوستان بھیجے گئے تب انھوں نے یہاں کے زمینی حقائق کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ اس کے بعد وہ اس

نتیجے پر پہنچے کہ جو نئے ملازمین کمپنی کے مختلف شعبوں میں انگلستان سے آئے ہیں ان کی تربیت کا بہتر نظام ہونا چاہیے کیوں کہ دور دراز ملک سے آکر ہندوستان میں کام کرنے والے فرنگی ملازمین کو دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا۔اس سے قبل ان کی تربیت کی جائے، بغیر تربیت کے وہ بہتر کام انجام نہیں دے سکتے۔اس لیے باقاعدہ ان کی تربیت کا انتظام کیا گیا۔اس تربیتی سلسلے میں لارڈ ولزلی کے نزدیک ملازمین کی تربیت کے دو اہم پہلو تھے۔ان میں سے ایک یہ تھا کہ ملازمین کی علمی قابلیت میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے دوسرے یہ کہ ان ملازمین کو ہندوستانیوں کے مزاج اور ان کی زندگی کے مختلف شعبوں، ان کی زبان، ان کے عادات واطوار اور ان کے طور طریق سے واقف کرایا جائے۔

گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے کالج کے مقاصد کو مفید تر بنانے کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ اگر انگریزوں کو یہاں حکومت کرنی ہے تو ضروری ہے کہ کمپنی کے ملازمین کو مقامی زبانیں سیکھنے کا نظم کیا جائے اور یہاں کے ماحول سے آگاہی کے لیے تعلیم وتربیت کا باقاعدگی سے بہتر اور مناسب انتظام کیا جائے۔واضح رہے کہ یہ وہ تجاویز تھیں جو گورنر لارڈ ولزلی نے انگریزوں کے اعلیٰ حکام کو دیے تھے جس کی بنا پر کالج کے قیام کے لیے حکام آمادہ ہوئے اور جان گلکرسٹ کو جو کہ ہندوستانی زبان پر دسترس رکھتے تھے۔کمپنی کے ملازمین کو روزانہ درس وتدریس کے لیے تیار کیا گیا۔لارڈ ولزلی چاہتے تھے کہ ان کی کوششوں کے نتائج زیادہ متاثر کن اور سرعت پذیر ہوں تو اس کے لیے انھوں نے یہ حکم جاری کیا کہ آئندہ کسی بھی سال انگریز ملازم کو اس وقت تک بنگال، اڑیسہ اور بنارس میں کسی اہم عہدوں پر فائز نہیں کیا جائے گا جب تک وہ تمام ہی قوانین وضوابط کا پاس نہ رکھیں گے اور وہ مقامی زبان کا امتحان پاس نہ کرلیں گے۔

مندرجہ بالا سطور سے فورٹ ولیم کالج کے مقاصد واضح ہوگئے ۔ باوجود اس کے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ولزلی ملازمین کو اردو سکھانے پر اس قدر مصر کیوں تھے۔دراصل اردو زبان اس وقت ہندوستان گیر حیثیت حاصل کرچکی تھی۔جس کا شدید احساس جان گلکرسٹ اور ولزلی دونوں کو تھا۔اس لیے وہ ہندوستان میں برطانوی مفاد کو مضبوط اور انگریزی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے چاہتے تھے کہ ملازمین کے لیے ہندوستان کی مقبول عام زبان اردو کا نہ صرف جاننا بلکہ باضابطہ طور پر سیکھنا ضروری ہے۔بابائے اردو مولوی عبدالحق نے 'خطبات عبدالحق' میں کالج کے مقاصد پر اپنے ایک خطبے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

''ان کے خیال میں انگلستان سے ہندوستان آنے والے انگریز جو کمپنی کی ملازمت چاہتے تھے عموماً نااہل اور ناکارہ ہوجاتے تھے اس لیے کہ ان کی مذہبی اور اخلاقی تربیت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔دوسری بات یہ تھی کہ ملازمین کمپنی کو مختلف السنہ و مذاہب اور اطوار وعادات کے لاکھوں آدمیوں کے عدالتی معاملات کو فیصل کرنے اضلاع کی مال گزاری کا انتظام کرنا اور ان کے جھگڑے چکانے پڑتے تھے۔عدالتوں میں وکالت اور تمام ضروری کاروائی دیسی زبان کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ قانون انگریزی نہیں بلکہ یہاں کا قدیم قانون رائج تھا۔ اس لیے مجسٹریٹوں کے فرائض بہت پیچیدہ اور اہم ہوگئے تھے۔معمولی فرائض کے علاوہ ججوں اور مجسٹریٹوں کو وقتاً فوقتاً گورنر بہ اجلاس کونسل کے سامنے موجودہ قوانین کے متعلق معلومات وغیرہ پیش کرنی ہوتی تھیں۔جس کے لیے انھیں اہل ملک کی خواہشات اور ضروریات کا جاننا ضروری تھا۔دوسری بڑی چیز تجارت تھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا اصل منشا تھا۔تجارت کے فروغ کے لیے ضروری تھا کہ تاجر ملک کی زبان اور حالات سے واقف ہوں اور جہاں

تجارت کے ساتھ حکومت کا سایہ بھی ہو تو ملک کی زبان، اہل ملک کے عادات اور رسم و رواج اور ان کے آئین و قوانین کا جاننا لازم ہو جاتا ہے۔''

فورٹ ولیم کالج کو اس لیے فورٹ ولیم کالج کہنے کی وجہ ہے کہ یہ ایک قلعے میں قائم ہوا تھا جس کا نام ہی فورٹ ولیم تھا۔ اس کے قیام کے بعد لارڈ ولزلی نے خوب دلچسپی لی اور بہت سے شعبے قائم کیے اور کوشش یہ کی کہ لائق اور قابل اساتذہ کی بحالی ہو اور پرنسپل کی حیثیت سے سب سے پہلے ڈیوڈ براؤن مقرر ہوئے اور ہندوستانی زبان کے صدر شعبہ کی حیثیت سے ڈاکٹر جان گلکرسٹ منتخب ہوئے۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ ہندوستانی زبان سے اس وقت اردو زبان مراد لی جاتی تھی۔ جان گلکرسٹ ایک ذہین اور قابل انسان ہونے کے ساتھ محنتی بھی بہت تھے۔ انھوں نے بڑی محنت سے اردو زبان سیکھی تھی اور انھوں نے خود بھی تصنیفی اور تالیفی خدمات انجام دیں۔ کالج کے قیام کے بعد جب یہ محسوس ہوا کہ اردو زبان میں کتابیں اس لائق نہیں ہیں جو ان کی تربیت کے پیش نظر مناسب ہوں تب انھوں نے کالج میں مختلف شعبہ جات کے ساتھ ایک شعبہ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا بھی قائم کیا تاکہ یہاں سے ایسی معیاری، عام فہم، سلیس اور مفید کتابیں تصنیف ہوں جو سب کے لیے کارگر ہوں۔ ایسے آسان ترجمے ہوں جو لوگوں کے لیے مفید ہوں اس تعلق سے رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب ''تاریخ ادب اردو'' میں بہت واضح الفاظ میں مفصل طور پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''انگریزوں نے ہندوستان میں اپنے تجارتی تعلقات کے سلسلے میں بڑے بڑے قطعات ملک حاصل کر لیے تھے۔ جن کے عمدہ انتظام کے واسطے ضروری تھا کہ ان کے اعلیٰ عمال اس ملک کی زبان سے جس کا انتظام عاملانہ خواہ تاجرانہ ان کے سپرد تھا اچھی طرح واقف ہو جائیں تجارتی تعلقات یوماً فیوماً کم ہوتے جاتے تھے۔ مگر انتظامی معاملات بڑھتے جاتے تھے۔ مترجم جن کے ذریعہ سے اہل ملک کی زبان اور خیالات کو یورپی عمال یا تجار سمجھ سکتے تھے اب بیکار ہو گئے تھے کیوں کہ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ کوئی قوم تاوقتے کہ مفتوح قوم کے زبان اور رسوم و رواج اور روایات تاریخی و مذہبی سے کما حقہ بلا واسطہ واقف نہ ہوگی اس پر پورے طور سے حکومت نہیں کر سکتی اور ان سب باتوں کے لیے یہ ضروری تھا کہ حاکم اپنے محکوموں کی زبان سیکھیں، لہٰذا کورٹ آف ڈائریکٹرز نے یہ دیکھ کر کہ ان کے عمال ہندوستان میں اپنے فرائض منصبی محض دیسی زبانوں کے نہ جاننے کی وجہ سے بہت بری طرح سے ادھورے طریق پر ادا کرتے ہیں۔ یہ تاکیدی حکم دے دیا کہ آئندہ سے ان کے حکام مقامی اپنے عمال کے واسطے دیسی زبانوں سے کما حقہ واقفیت کو ضروری قرار دیں۔ اسی کے ساتھ چوں کہ بڑے بڑے قطعات ملک انگریزی عملداری میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ لہٰذا پارلیمنٹ انگلستان کو اب یہ محسوس ہونے لگا کہ رعایا کی فلاح و بہبود اور تعلیم و ترقی کی ذمہ داری بھی ہمیں پر عاید ہوتی ہے۔ چنانچہ اب اس کی کوشش ہونے لگی کہ جو رکاوٹ خانہ جنگیوں اور ملکی لڑائیوں کی وجہ سے لوگوں کے تعلیم میں پڑ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے تعلیم کو بہت سخت صدمہ پہنچ رہا تھا۔ اب دور ہو جائے۔ اسی اصول پر تعلیم انگریزی کی اشاعت شروع ہوئی جس سے خیالات اور زبان دونوں میں انقلاب عظیم پیدا ہونا شروع ہوا۔ جس کا اثر کہیں نظم پر بڑا اور کہیں نثر پر مختصر یہ کہ تعلیم انگریزی نے ہندوستان کے واسطے وہی کیا جواب سے پانچ چھ سو برس پیشتر نشاۃ ثانیہ نے یورپ کے واسطے کیا تھا۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہر تغیر اور انقلاب کے ساتھ اچھائیوں کے ساتھ ساتھ برائیاں بھی ضرور آ جاتی ہیں مگر اس صورت میں اچھائیوں کا پلّہ بھاری رہا۔ یعنی اس تعلیمی تغیر سے دیسی زبانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔''

نوطرز مرصع جو فارسی قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے جسے میر عطا حسین نے اردو کا جامہ پہنایا تھا۔ مگر ان کے ترجمے کی خامی یہ تھی کہ انھوں نے مقفّٰی اور مسجع عبارت کے ساتھ بے حد سخت الفاظ سے کتاب کو بوجھل کر دیا تھا۔ جملے فارسی اور عربی سے پُر تھے۔ الفاظ اور تراکیب کا بوجھل پن، تشبیہات و استعارات، تکلف و تصنع سے بھرپور اسلوب نے پڑھے لکھے طبقے کے لیے محدود بنا دیا تھا۔ اس سے استفادہ ہر خاص و عام کے بس کا نہیں تھا کہ وہ اس کتاب کو بہ آسانی سمجھ سکے۔ مگر میر امن دہلوی جو کہ فورٹ ولیم کالج کے پروردہ مصنفین میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے میر عطا حسین تحسین کی نوطرز مرصع کو دلی کی ٹھیٹ زبان میں منتقل کیا۔ باغ و بہار میں زبان کی سادگی روز مرہ اور محاوروں کی چاشنی ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی عکاسی، روانی و سلاست وجذبات نگاری موجود ہے اس کے علاوہ اس میں فن قصہ گوئی سے آگاہی جھلکتی ہے میر امن کی اردو نثر آج بھی زندہ ہے اور زندہ زبان کا بہترین نمونہ بھی ہے۔

کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام انگریزوں کو ہندوستانی زبانیں سکھانے کے لیے کیا گیا تھا۔ انگریزوں کے ہندوستانی زبان سکھانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ ان کی زبان میں رابطہ قائم کر سکیں تا کہ عوام کے ساتھ جڑ سکیں اور وہ اپنے مقصد میں آسانی سے کامیاب ہو سکیں۔ اس کالج میں ہندوستانی زبانوں کے ماہرین کو ملازم صرف اس لیے رکھا گیا تا کہ وہ انگریزوں کے لیے ہندوستان کی مقبول و مشہور کتابوں کو آسان ہندوستانی زبان میں اتنے سہل، سلیس اور دلچسپ پیرائے میں لکھ دیں کہ وہ کتابیں انگریزوں کے لیے نہ صرف یہ کہ زبان سیکھنے کا مؤثر ذریعہ بنیں بلکہ ان کے حوالے سے انگریز یہاں کی تہذیب و معاشرت سے بھی اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ ایسا انگریزوں نے اس لیے کیا کہ ان کی تجارت کا دائرہ تو بڑھ ہی رہا تھا ان کے دلوں میں چھپی حکومت کی خواہش بھی پروان چڑھ رہی تھی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے رابطہ ہو اور رابطہ قائم کرنے کے لیے یہ سب سے مناسب طریقہ تھا۔ ہندوستانی زبانوں کا شعبہ کھولا تو گیا انگریزوں کے پیر کو ہندوستان میں مضبوطی سے جمانے کے لیے مگر اس سے ہندوستانی زبانوں کو بھی فائدہ پہنچ گیا۔ خصوصاً اردو زبان کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ بہت سی ایسی کتابیں اس کالج میں لکھی گئیں یا ترجمہ کرائی گئیں جو اردو نثر کے ارتقا میں سنگ میل ثابت ہوئیں۔ انھیں میں سے میر امّن کی ''باغ و بہار'' بھی ایک ہے۔ میر امن نے اپنے دیباچے میں انگریزوں کے اس مقصد کی طرف لکھا بھی ہے:

''صاحبانِ ذی شان کو شوق ہوا کہ اردو زبان سے واقف ہو کر ہندوستانیوں سے گفت و شنید کریں اور ملکی کام کو بہ آگاہی تمام انجام دیں۔ اس واسطے کتنی ہی کتابیں اسی سال بموجب فرمائش کے ہوئیں۔...... جان گلکرسٹ صاحب نے کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ بلند رہے جب تلک گنگا جمنا ہے، لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت، مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں۔ ترجمہ کرو، موافق حکم حضور کے میں نے اسی محاورے میں لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔''

درج بالا اقتباس سے واضح ہے کہ میر امن نے ترجمے میں سادہ اور آسان زبان کا استعمال کیا تا کہ قصے کو عوام و خواص سبھی سمجھیں اور لطف اندوز ہوں۔

4.3.3 فورٹ ولیم کالج سے منسلک میر امن دہلوی کے رفقاء:

میر امن دہلوی کے علاوہ شیر علی افسوس، میر بہادر علی حسینی، سید حیدر بخش حیدری، للولال جی، نہال چند لاہوری وغیرہ بھی فورٹ ولیم کالج سے منسلک تھے۔ شیر علی افسوس کی مشہور کتابیں باغ اردو اور آرائش محفل جو ترجمہ تھیں مشہور ہیں۔ اسی طرح میر بہادر علی حسینی منشی نے بھی چار کتابیں لکھی تھیں ان میں نثر بے نظیر، اخلاق ہندی، تاریخ آسام اور ہندوستانی زبان کے قواعد کی تلخیص وغیرہ اہم ہیں۔ بہادر علی حسینی سادہ زبان میں لکھنے کے عادی تھے۔ جب کہ ان کے جملے طویل ہوتے تھے۔ روزمرہ کے محاورے اور عام بول چال کی زبان لکھنا ان کا خاصہ تھا۔ سید حیدر بخش حیدری کا تعلق بھی فورٹ ولیم کالج سے ہی تھا۔ انھوں نے طوطا کہانی، قصہ مہر و ماہ، لیلیٰ مجنوں، آرائش محفل، تاریخ نادری اور گل مغفرت جیسی بلند پایہ کتابیں تحریر کیں۔ مرزا کاظم علی جوان جو کہ دہلی کے رہنے والے تھے مگر لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ 1815 میں جو مشاعرے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ہوئے تھے اس میں یہ موجود پائے جاتے ہیں۔ ان سے منسوب کتابیں یہ ہیں (1) کالی داس کی مشہور کتاب شکنتلا ناٹک کا اردو ترجمہ جس کے دیباچہ میں بطور تمہید کے وہ لکھتے ہیں کہ ''کالی داس کی اصل کتاب کا ترجمہ برج بھاشا میں 1716 میں ایک شاعر نواز کبیشر نامی نے مولے خاں پسر خدا سی خاں سپہ سالار شہنشاہ فرخ سیر کے حکم سے کیا تھا اور ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش سے یہ ترجمہ برج بھاشا سے بزبان اردو 1801 میں کیا گیا اور اس پر نظر ثانی للو لال جی نے کی اور کلکتہ میں 1802 میں طبع ہوا۔ (2) قرآن شریف کا ایک اردو ترجمہ حسب فرمائش گلکرسٹ صاحب کی (3) ترجمہ تاریخ فرشتہ متعلقہ خاندان بہمنی (4) سنگھاسن بتیسی جس کی تصنیف میں للولال جی بھی شریک تھے (5) بارہ ماسہ جس میں ہندوستان کی مختلف فصلوں، موسموں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہواروں کا ذکر مثنوی کے پیرائے میں کیا۔ نہال چند لاہوری دہلی میں پیدا ہوئے تھے مگر وہ لاہور میں زیادہ رہے اس وجہ سے لاہوری کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب ''مذہب عشق'' کے دیباچہ میں خود لکھا ہے کہ ''کپتان ولورٹ نے ڈاکٹر گلکرسٹ سے ان کا تعارف کرایا جن کی فرمائش سے انھوں نے قصہ تاج الملوک اور بکاولی کا ترجمہ فارسی سے اردو میں کیا''۔ لاہوری کی مشہور کتاب مذہب عشق جو کہ تاریخی نام ہے اصل میں ''گل بکاولی'' کے قصے کو فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا اور اسی کا نام مذہب عشق رکھا، اس تعلق سے پروفیسر گوپی چند نارنگ نے لکھا ہے کہ ''دراصل یہ ایک مخلوط قصہ ہے جس کی تشکیل قصے، کہانیوں کی ملی جلی ہند ایرانی روایتوں سے ہوئی ہے۔ ہندو مسلمان کے اختلاط سے ہندوستان کی لوک کتھاؤں، قصوں یا داستانوں پر جو اثرات پڑے یہ قصہ ان کی دلچسپ مثال ہے'' اسی قصّہ کا ایک دوسرا اردو ترجمہ جو کہ منظوم ہے ریحان نامی شخص نے 1212 ہجری میں کیا۔ جس میں چالیس باب ہیں جو گلگشت کے نام سے موسوم ہے۔ نیز ایک اردو مثنوی موسوم بہ تحفۃ المجالس اسی قصہ کی بہت قدیم موجود ہے۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے 1053 ہجری نکلتے ہیں اور اس سے بھی ایک قدیم نسخہ کا پتہ چلتا ہے جو دکنی میں ہے جسکا سن تصنیف 1039 ہجری ہے۔ مگر ان سب سے زیادہ مشہور مثنوی گلزار نسیم ہے جو 1254 ہجری میں تصنیف کی گئی ہے۔ مظہر علی خاں ولا جن کا اصل نام مرزا لطف علی تھا۔ ان کا تخلص ولا تھا۔ یہ سلیمان علی خان کے بیٹے تھے اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ یہ کلکتہ کالج میں منشی کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے بھی کئی اہم کتابوں کے ترجمے کیے ہیں۔ مثلاً (1) پند نامہ سعدی کا اردو ترجمہ جو کہ منظوم ہے۔ (2) ناصر علی خان بلگرامی واسطی کی ہفت گلشن کا ترجمہ بھی کیا جو اخلاق اور مواعظہ حسنہ کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں

اخلاقی حکایتیں، آداب، بزرگوں کی گفتگو، اطاعت وفرماں برداری اور چند احادیث نبوی واقوال حضرت علیؑ درج ہیں۔(3) قصہ مادھونل کام کنڈلا جو موتی رام کی برج بھاشا کا اردو ترجمہ ہے۔(4) بیتال پچیسی بھاشا کا اردو ترجمہ جو کہ للولال جی کی شرکت میں کیا گیا۔(5) فارسی تاریخ شیر شاہی کا ترجمہ جو بعد میں انگریزی میں بھی ہوا۔ (6) ایک دیوان ریختہ جس میں غزلیات، قصائد، رباعیات وغیرہ ہیں اور مصنف کی سوانح بھی اس میں شامل ہے۔حفیظ الدین احمد نے خرد افروز کے نام سے 1803 میں ابوالفضل کی عیار دانش کا اردو ترجمہ کیا جب کہ عیار دانش خود ملاحسین واعظ کاشفی کی انوار سہیلی کی تلخیص اور انوار سہیلی کلیلہ ودمنہ جو سنسکرت سے ماخوذ ہے۔اس کے بعد اس کے اور بھی ترجمے ہوئے۔مولوی شیخ اکرام علی فورٹ ولیم کالج میں 1814 میں محافظ دفتر مقرر ہوئے تھے۔انھوں نے عربی کی مشہور ومعروف اخلاقی کتاب ''اخوان الصفا'' کا اردو ترجمہ کیا۔انھوں نے اس کتاب کے اس حصے کا صرف اردو میں ترجمہ کیا ہے جس میں حیوانات اور انسان کی برتری کا سوال شاہِ جن کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔للولال جی گجراتی برہمن تھے، مگر شمالی ہند میں سکونت اختیار کرلی تھی۔اردو کے ماہر تصور کیے جاتے ہیں انھوں نے 1810 میں ایک کتاب ہندی زبان میں لطیف حکایات کی تصنیف کی جو ''لطائف ہندی'' کے نام سے معروف ہے۔ان کے تعلق سے یہ مشہور ہے کہ انھوں نے شکنتلا ناٹک، سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی اور قصہ مادھونل کی تصنیف میں اصل مصنفین کی بہت مدد کی تھی۔بنی نارائن ''دیوان جہاں'' کے مصنف ہیں جو ہندوستانی شعرا کا تذکرہ بھی ہے اسے 1800 میں فورٹ ولیم کالج کے کپتان صاحب کے فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک فارسی قصہ کا ترجمہ ''چار گلشن'' کے نام سے بھی کیا۔مرزا علی لطف جو کہ کاظم بیگ خاں کے بیٹے تھے۔ 1154 ہجری میں نادر شاہ کی ہمراہی میں دہلی آگئے تھے اور بعد میں ابوالمنصور خان صفدر جنگ کی وساطت سے دربار شاہی دہلی میں داخل ہوگئے تھے۔لطف کا کمال یہ ہے کہ وہ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔وہ خود کہتے ہیں کہ دکن حیدر آباد کے سفر کے ارادے سے نکلے تھے کہ ڈاکٹر گلکرسٹ نے ان کو روک لیا اور ان کا مشہور تذکرہ ''گلشن ہند'' ان سے لکھوایا۔اس قصہ کا ذکر انھوں نے اپنے تذکرہ کے دیباچہ میں کیا ہے۔ اس نایاب تذکرہ کو مولوی عبدالحق نے مقدمہ کے ساتھ انجمن ترقی اردو کے اہتمام سے شائع بھی کیا ہے۔مولوی امانت اللہ کا تخلص شیدا تھا انھوں نے ''اخلاق جلالی'' کا ترجمہ 'جامع الاخلاق' کے نام سے 1805 میں کپتان جیمس مونٹ کے حکم سے کیا۔انھوں نے ''ہدایت الاسلام'' عربی اور اردو دنوں زبانوں میں تحریر کیا دراصل یہ 1804 میں تحریر کی گئی تھی جس کا ترجمہ خود گلکرسٹ نے انگریزی میں کیا۔اس کے بعد مولوی صاحب نے 1810 میں ایک منظوم صرف ونحو اردو تصنیف کی جو ''صرف اردو'' کے نام سے موسوم ہے۔

مذکورہ بالا کے علاوہ اس عہد کے بعض دیگر منشی ونثار بھی تھے جو اپنی خدمات اردو کے فروغ میں دے رہے تھے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔سید جعفر علی رواں لکھنوی، افتخار الدین شہرت، عبدالکریم خان کریم دہلوی، مرزا ہاشم علی عیاں، مرزا قاسم علی ممتاز، میر عبداللہ مسکین، مرزا جان طپش، مولوی خلیل علی خان اشک۔اشک نے 1809 میں اکبر نامہ کا ترجمہ ''واقعات اکبر'' کے نام سے کیا مگر وہ شائع نہیں ہوسکا۔طپش کا کلیات فورٹ ولیم کالج کی طرف سے شائع ہوا تھا۔فورٹ ولیم کالج اور ان سے وابستہ افراد کی اردو کے تعلق سے جو خدمات ہیں انھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔فورٹ ولیم کالج کی سیاسی وجوہات سے الگ ہوکر اگر ہم یہ دیکھیں کہ کالج کی مساعیِٔ جمیلہ کی وجہ سے اردو میں سادگی، سلاست اور روانی کا رواج عام ہوا اور اسی تحریک کی وجہ سے اردو کا دامن وسیع بھی ہوا۔جس کا

سہرا سراسر ڈاکٹر گلکرسٹ کے سر جاتا ہے، جنہوں نے نہ صرف کئی کتابیں تصنیف کیں بلکہ کالج کے ملازمین کو بھی اپنے ساتھ شریکِ تصنیف کیا۔ ساتھ ہی اپنی نگرانی میں متعدد کتابیں بھی تصنیف کرائیں جو کہ بے حد اہم ہیں۔ وہ اپنے عہد کے روحِ رواں تھے جو کالج کی ترقی کے ساتھ اردو کی اشاعت کے لیے کمر بستہ تھے۔

4.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں

- آپ نے میر امن دہلوی کے عہد، حیات اور فن کی جانکاری حاصل کی۔
- آپ فورٹ ولیم کالج کے قیام کے مقاصد سے واقف ہوئے۔
- آپ نے اردو ادب میں فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی کی قدر و قیمت کو سمجھا۔
- آپ اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی کی حصہ داری سے واقف ہوئے۔

4.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1 - میر امن کا پورا نام کیا تھا؟

-2 میر امن کلکتہ کس مقصد سے گئے اور انھیں گلکرسٹ سے کس نے ملوایا؟

-3 میر امن کی دوسری اہم کتاب کا نام بتائیے۔

-4 فورٹ ولیم کالج کب قائم کیا گیا؟

-5 فورٹ ولیم کالج کے دو اہم مصنفین کے نام بتائیے۔

-6 فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی زبان کے شعبہ کا صدر کس کو منتخب کیا گیا تھا؟

4.6 سوالوں کے جوابات

-1 میر امن کا پورا نام میر امان تھا۔

-2 میر امن تلاش روزگار کے سلسلے میں کلکتہ گئے، وہاں میر منشی بہادر علی نے ان کو ڈاکٹر جان گلکرسٹ سے ملوایا اور گلکرسٹ نے انھیں فورٹ ولیم میں منشی رکھ لیا۔

-3 میر امن کی دوسری کتاب کا نام ''گنجِ خوبی'' ہے۔

-4 فورٹ ولیم کالج 10 جولائی 1800 کو قائم ہوا۔

-5 فورٹ ولیم کالج میں مصنف کی حیثیت سے میر امن دہلوی اور شیر علی افسوس کے نام اہم ہیں۔

-6 فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی زبان کے شعبہ کے صدر کی حیثیت سے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کو منتخب کیا گیا۔

4.7 فرہنگ

داستان	فرضی اور مثالی قصے کہانی
رواں زبان	بغیر رکاوٹ والی زبان
مافوق الفطری عناصر	وہ عناصر جو عقل سے پرے ہوں
فرنگی	یورپ کا باشندہ
مصلحت	صلاح، مشورہ
سنگ میل	راہ کا پتھر
اطوار	طور کی جمع، چال چلن
فروغ	شہرت، سبقت
شدید	طاقت ور، سخت
عادات	عادت کی جمع لت، ہوگا
منشا	ارادہ، اشارہ، مرضی، سبب
منصوبہ	ارادہ، پلان، تجویز
طبقہ	درجہ، منزل، انسانوں یا حیوانوں کا چھوٹا گروہ
تصنیف	جدا کرنا، جمع کرنا، لکھی ہوئی کتاب، لکھا ہوا مضمون
تمہید	کسی بات کی ابتدا کسی تقریب کا آغاز
دیباچہ	افتتاحیہ، کسی چیز کا ابتدائی حصہ

4.8 کتب برائے مطالعہ

بنگال میں اردو نثر کی تاریخ	سالک لکھنوی	مغربی بنگال اردو اکاڈمی 1998
داستان سے ناول تک	ڈاکٹر ابن کنول	اسٹار آفسیٹ پریس 2001
باغ و بہار کا اسلوبیاتی مطالعہ	ڈاکٹر شعیب رضا خان وارثی	نیو پرنٹ سنٹر، نئی دہلی 2013
تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 2010
فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات	عبیدہ بیگم	نصرت پبلشرز، لکھنؤ 1983
خطبات عبدالحق (دوم)	مولوی عبدالحق	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی 1944

اکائی 5 میرامن دہلوی کا اسلوب

ساخت

5.1 اغراض ومقاصد

5.2 تمہید

5.3 میرامن دہلوی کا اسلوب

5.3.1 داستانوی اسلوب

5.3.2 روزمرہ اور محاورے

5.3.3 ضرب الامثال

5.3.4 کرداروں کی زبان/طبقاتی زبان

5.3.5 تراکیب، قافیہ، الفاظ کی تکرار

5.3.6 ہندی الفاظ کا استعمال

5.4 آپ نے کیا سیکھا

5.5 اپنا امتحان خود لیجیے

5.6 سوالوں کے جوابات

5.7 فرہنگ

5.8 کتب برائے مطالعہ

5.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- میرامن دہلوی اور ان کی تصانیف سے متعارف ہوں گے۔
- ''باغ و بہار'' کے اسلوب سے واقف ہوں گے۔
- اردو ادب میں سادہ نثر کی ابتدا اور ارتقاء کو بھی جان سکیں گے۔
- داستان میں مستعمل محاوروں اور روزمرہ سے واقف ہوں گے۔
- داستان میں کرداروں کی زبان کی خصوصیات سے بھی واقف ہوں گے۔
- میرامن دہلوی کی زبان کے محاسن سے متعارف ہوں گے۔

5.2 تمہید

اردو نثر کی تاریخ میں میرامن ایک ایسا نام ہے جس نے 'باغ و بہار' اور 'گنج خوبی' جیسی معرکۃ الآرا کتابیں لکھ کر نہ صرف اردو زبان کو بال و پر عطا کیا بلکہ اردو ادب کو نیا، سادہ و سلیس اسلوب سے بہرور کیا۔ جس کتاب نے انھیں حیات

جاویدانی عطا کی وہ 'باغ و بہار' ہے۔ اپنی اس کتاب میں انھوں نے ایسی سحر کاری کی ہے کہ جب تک اردو زبان رہے گی تب تک اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا رہے گا اور س کی قدر و قیمت میں مرورِایام کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہے گا۔

میر امن کی اسلوب نگارش کا مطالعہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تخلیقات کی زبان کا مطالعہ کیا جائے۔ میر امن نے باغ و بہار جان گل کرسٹ کی فرمائش پر میر محمد حسین عطا خاں تحسین کی نوطرز مرصع سے ترجمہ کی اور اس طرح یہ داستان اردو نثر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اردو نثر میں پہلی مرتبہ سلیس اور آسان عبارت کا رواج اسی داستان کی وجہ سے ممکن ہوا۔ آگے چل کر غالب کی نثر نے اسے کمال تک پہنچا دیا۔ اسی لیے مولوی عبدالحق کا کہنا ہے کہ اردو نثر کی ان چند کتابوں میں باغ و بہار کو شمار کیا جاتا ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور شوق سے پڑھی جائیں گی۔

میر امن سے اردو نثر کے ایک نئے اسلوب کا آغاز ہوتا ہے۔ باغ و بہار سے قبل 'نوطرزِ مرصع' کو نثری بیان کا معیار تصور کیا جاتا تھا۔ باغ و بہار کی اشاعت اور قبولیت کے بعد اردو نثر عوام کے قریب آئی۔ اس کتاب کا سب سے بڑا حسن اس کی زبان ہے۔ یہ زبان اس وقت تشکیل دی گئی جب انشاء پردازی کا طلسم مکمل طور سے نہیں ٹوٹا تھا۔ فارسی لکھنا اور عبارت آرائی کا کمال دکھانا علمیت اور قابلیت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ میر امن خود اپنی زبان کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''جان گل کرسٹ صاحب نے (کہ اقبال اُن کا زیادہ رہے جب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں، جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو، موافق حکم حضور کے، میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔
>
> ('باغ و بہار' رشید حسن خاں ص ۱۱-۱۲)

آگے چل کر اردو زبان کی ابتدا اور نشو نما کا ذکر کرتے ہوئے میر امن اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اگر چہ وہ دلی سے دور پردیس میں زندگی گزار رہے ہیں لیکن ان کی اردو دلی کی ٹکسالی اردو ہے۔ کیوں کہ ''جو شخص سب آفتیں سہہ کر دلی کا روڑا ہو کر رہا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے، عرس چھڑیاں، سیر تماشا اور کوچہ گردی اس شہر کی مدت تلک کی ہوگی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہوگا اس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔'' (ص:۱۵)

مذکورہ اقتباسات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر امن نے اس میں دو دعوے پیش کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ انھوں نے ''ٹھیٹھ ہندوستانی محاورے میں یعنی گفتگو کی زبان میں باغ و بہار لکھی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ان کی اردو دلی کی اصلی اردو ہے۔

کلیم الدین احمد لکھتے ہیں کہ

> ''...یہ سادگی سپاٹ نہیں، یہاں ناگوار نیرنگی نہیں، یہاں سادگی و پرکاری بیک وقت جمع ہیں.....میر امن کی عبارت میں ایک خاص آہنگ ہے جسے موسیقیت یا وزن سے کوئی سروکار نہیں جملوں کی ساخت ترتیب اور 'حرکت' میں باریکی تناسب اور جاذبیت ہے۔ (اردو زبان اور فن داستان گوئی ص ۱۵۴-۱۵۵)

میر امن کی نثر کے بارے میں یہ مختلف آرا ان کی زبان کے خدوخال کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ خود میر امن دہلوی اپنی زبان کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو کی زبان بتاتے ہیں۔

5.3 میر امن دہلوی کا اسلوب

5.3.1 داستانوی اسلوب:

داستان کے فن کا ایک اہم عنصر یہ بھی ہے کہ داستان لکھنے کا نہیں، سنانے کا فن ہے۔ اس لیے داستان گو کو قوت بیان پر اس قدر مہارت ہونی چاہیے کہ وہ سامعین کی توجہ کو اپنی طرف مرکوز کرا سکے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب داستان گو انھیں کے لہجہ اور زبان میں داستان سنائے جو سامعین کا ہے۔ باغ و بہار کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے اس کے زبانی بیانیہ کا احساس ابتدا سے ہی نظر آتا ہے۔

> ''اب آغاز قصے کا کرتا ہوں ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو، سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے، اور کہنے والے نے کہا ہے، کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اس کی ذات میں تھی، نام اس کا آزاد بخت۔''
>
> مجھے جو کم بختی لگی، دروازہ بند نہ کیا۔ ایک بڑھیا شیطان کی خالہ، اس کا خدا کرے منہ کالا، ہاتھ میں تسبیح لٹکائے۔ برقع اوڑھے، دروازہ کھلا پا کر دھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی کہ الٰہی، تیری نتھ، جوڑی سہاگ کی سلامت رہنے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔''

درج بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میر امن نے کس خوش اسلوبی سے تحریر کو زبانی بیانیہ کا رنگ دے دیا ہے۔ اس کی قرأت کے دوران قاری کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی تحریر پڑھ رہا ہے، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ کوئی قصہ گو بیٹھا اسے قصہ سنا رہا ہے۔ داستانوی اسلوب کی یہ وہ خصوصیت ہے جو اسے دوسرے نثری اصناف سے ممتاز کرتی ہے۔ میر امن کے نثر کی یہی خوبی اسے زندہ و جاوید کر دیتی ہے۔ سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ ''اس کی زبان اس زمانے کی عام زبان اور عام لوگوں کی زبان ہے اور اس لحاظ سے اجتماعی زندگی کی سچی ترجمان ہے۔ اسی سبب سے اس میں اس زمانے کے لوگوں خصوصاً دلی والوں کی فطرتیں، صلاحیتیں، طبیعتیں اور رجحانات و میلانات آشکارا ہوتے ہیں:

> ''اب خداوند نعمت صاحب مروت نجیبوں کے قدر دان جان گل کرسٹ نے (کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہیجب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عام، آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔''

مذکورہ عبارت میں ''خاص و عام بولتے چالتے ہیں'' کے معنی یہ ہیں کہ اس طرح نہیں جیسے کوئی علمی یا فلسفیانہ نثر ہوتی ہے۔ بلکہ گفتگو کی زبان میں اصول تخاطب کا خیال رکھا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے فقروں کا استعمال کیا جاتا

ہے۔ مکالمہ بعض اوقات جملوں پر تشکیل دیا جاتا ہے۔ بول چال کی زبان میں عموماً ایسے مرکب لفظوں کا استعمال کیا جاتا ہے جو تابع مہمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میر امن نے اپنی نثر میں گفتگو کا فطری انداز قائم رکھنے کے لیے یہی طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ جملے دیکھیے :

''اور کئی آدمی مرہم کی تیاری کے لیے کچھ پیس پاس رہے تھے۔''

بغیر پوچھے گچھے اتنا مال... میرے حوالے کیا۔''

''اس جوان نے بڑی ٹیپ ٹاپ سے تیاری ضیافت کی۔''

''دیکھتا ہوں تو نازنین... سادی خوزادی، بن گہنے پاتے... خبر گیری میں ضیافت کی لگ رہی ہے۔''

''چمک سے آگ جھاڑ، بھون بھان کر کھا لیتے۔''

''مارے ڈر کے لڑھتا پڑتا پہاڑ سے نیچے آیا۔''

مذکورہ جملوں میں پیس۔ پاس، پوچھے۔ گچھے، ٹیپ۔ ٹاپ، سادی۔ خوزادی، بھون۔ بھان، لڑھتا۔ پڑتا، وغیرہ ایسے مرکبات ہیں جو خاص طور سے صرف گفتگو کے دوران ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند جین ان کی نثر کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''انھوں نے اپنی کتاب آسان اور بامحاورہ زبان میں اس وقت لکھی جب کے فارسی اور عربی الفاظ کی شدت، قافیہ پیمائی، رنگین بیانی کو ہی قابلیت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ سلیس نگار کو کم علم جان کر کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا، میر امن نے روزمرہ اور محاورے کی نظر فریب کاریوں کے سامنے عربیت کی سنگلاخ زمین کو بیچ جانا۔۔۔ باغ و بہار کے باغ پر ہمیشہ بہار رہی اور رہے گی۔''

5.3.2 روزمرہ اور محاورے:

حقیقت یہ ہے کہ میر امن نے عوامی بولی کو تحریری زبان کی شکل عطا کی۔ ان کے پاس عوام وخواص کی بولیوں کے الفاظ کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ انھوں نے اپنی نثری تخلیقات میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کئے ہیں جو دہلی اور نواحِ دہلی میں بولے جاتے رہے ہوں گے۔ لیکن کسی کتاب میں ان کی سند نہیں ملتی۔ میر امن کی شعوری کوشش تھی کہ عوام کے بیچ مستعمل زبان اور محاورے ہی وہ اپنی تخلیقات میں شامل کریں۔ اس کے متعلق انھوں نے خود ذکر کیا ہے کہ میں نے بھی اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔ میر امن کا یہی انداز بیان ان کی خصوصیت بن گیا۔ میر امن کے اسلوب میں ہندوستانی عوام کا رنگ صاف نظر آتا ہے۔ ان کے محاوروں میں فارسی نہیں بلکہ اردو کا مقامی انداز دکھائی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہوں، باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا۔ لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لیے بنایا ہے۔ گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے، اس کو دنیا کے لوگ طعنہ دیتے ہیں۔ خصوصاً اس شہر کے آدمی چھوٹے بڑے،

سب تمہارے رہنے پر یہ کہیں گے۔ اپنے باپ کی دولتِ دنیا کھو کھا کر بہنوئی کے ٹکڑوں پر آپڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمہاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو سب لاج لگنے کا ہے، نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔''

میر امن کی نثر اپنے زمانے کے ذہنی رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ زمانے کے یہ رجحانات ان کی کتاب 'باغ و بہار' میں اپنا عکس دکھا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ محاورہ زندگی کی ان دیرپا اور مستقل کیفیتوں کی ترجمانی کرتے ہیں جو کسی اجتماع کے مسلسل عمل و تعامل سے پیدا ہوتے ہیں نثر جب بلوغت کے درجے کو پہنچتی ہے تو اس میں محاورے کے درست اور برمحل استعمال کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔ سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''محاورے کا باسلیقہ استعمال محاورات کی بھرمار اور اسراف الفاظ کا نام نہیں یہ تو لفظی کفایت شعاری کا ایک خوش نما عمل ہے۔ یعنی تھوڑے لفظوں میں اجتماعی یا انفرادی زندگی کا کوئی مرقع اگر پیش کرنا ہو تو اس کے لیے اچھے اور برمحل محاورے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں۔''

میر امن کی نثر میں محاورات کا استعمال فطری اور تخلیقی معلوم ہوتا ہے۔ درج ذیل سطروں میں آنے والے محاورات دیکھیے:

''راہی مسافر جنگل میدان میں سونا اچھالتے چلے جاتے، کوئی نہ پوچھتا کہ تمارے منہ میں کے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو۔''

''دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچہ بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے، کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ بانٹ میں آکر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے۔''

پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور رنگ جو کندن سا دمکتا تھا، ہلدی سا بن گیا۔''

''اسی طرح تین دن رات صاف گزر گئے کہ ملکہ کے منہ میں کھیل بھی اڑ کر نہ گئی۔''

باغ و بہار میں محاوروں کی فراوانی ہے، محاوروں سے نہ صرف زبان میں بول چال کا سا فطری انداز پیدا ہوتا ہے بلکہ بات کو اختصار سے پیش کرنے کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ بقول پروفیسر ممتاز حسین:

''میر امن فطرتاً اختصار پسند واقع ہوئے تھے اس لیے وہ اکثر اس عمل کے بجائے چھوٹے چھوٹے محاوروں اور اچھوتے استعاروں سے بھی کام نکال لیتے ہیں۔''

(باغ و بہار۔ ممتاز حسین، ص ۶۳)

ہر محاورے میں استعارے کا عمل کارفرما ہوتا ہے اور یہ بلاغت کا اصول ہے کہ ایک استعارہ ایجاز اور شدّتِ تاثیر کا بہترین حربہ ہوتا ہے۔ محاورے کے استعمال سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ زبان جس معاشرے میں بولی جاتی ہے وہ تہذیب و تمدن کے کتنے ارتقائی مدارج طے کر چکی ہے۔ میر امن کی نثر ایسے محاورات سے پُر ہے۔ جو آج بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو اب تقریباً متروک ہو چکے ہیں۔ چند غیر معروف محاوروں کی مثالیں دیکھیے۔

''تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔''

''میں یہ بات سنتے ہی کاٹھ ہو گیا۔''

میرامن نے روزمرہ اور محاوروں کا بھی استعمال برجستہ کیا ہے۔مثال کے طور پر یہ فقرے دیکھیے۔

''تم نے آستین میں سانپ پالے ہیں۔''

''سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔''

''خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا۔''

''اس کی چھاتی پر سانپ پھر گیا۔''

''تو اسی طرح خاک چھانتا پھرے گا''

ڈوبتے کو تنکے کا آسرا بہت ہے''

ہم نے عرش پر جھنڈا اگاڑا ہے''

مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔''

5.3.3 ضرب الامثال:

میرامن کی نثر میں جہاں روزمرہ، محاروں کی بھرمار ہے وہیں ضرب الامثال کا بھی خاصا استعمال ہے، اردو زبان میں ضرب الامثال کا بہت ذخیرہ ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اردو زبان میں ہندوستانی ضرب الامثال کے ساتھ بہت سے فارسی اور عربی ضرب الامثال بھی رائج ہیں۔ ہر ضرب المثل کے پیچھے انسانی تجربات کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے اور خصوصاً افسانوی ادب میں جہاں انسانی تجربات اور کیفیات کا بیان ہوتا ہے، ضرب الامثال کے استعمال سے ہمارے اپنے تجربات اور احساسات کا رشتہ ماضی کے تجربوں سے منسلک ہو جاتا ہے۔ میرامن نے اپنی تخلیقات میں جو ضرب الامثال تحریر کیے ہیں ان کی چند مثالیں دیکھیے:

''اونٹ چڑھے کتا کاٹے''

''صورت نہ شکل چولہے میں نکل''

''اوسر چوکی ڈومنی، گاوے تال بے تال''

''مٹتی نہیں کرم کی ریکھا''

''ابھی دلی دور ہے''

''جس کی نہ پھٹی ہو بوائی، کیا جانے پیر پرائی''

''کتے کی دم کو بارہ برس گاڑو تو بھی ٹیڑھی رہے''

''ان نینوں کا یہی بسیکہ، وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ''

تخلیق میں انتہائی درجہ کی عوامیت کبھی کبھی عامیانہ پن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ادب کی ادبیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔لیکن میرامن کی نثر اپنی سادگی اور روزمرہ کے استعمال کے باوجود بھی متاثر نہیں ہوتی۔

5.3.4 کرداروں کی زبان/طبقاتی زبان:

میر امن دہلوی ہر طبقے کی زبان اور لہجے سے اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ وہ کرداروں کے لحاظ سے زبان کا استعمال کرتے تھے۔ باغ و بہار میں عورتوں اور مردوں کی گفتگو کا انداز ہر جگہ مختلف نظر آتا ہے۔

''اگر منصفی فرمائیے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجئے تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں، اس درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندو بست ملک کا اور انصاف، عدالت غریب غربا کی فریادیں، تو بندے خدا کے دامن دولت کے سایے میں امن و امان خوش رہیں۔''

''میں کنیا زیر باد کے دیس کے راجہ کی بیٹی ہوں۔ اور وہ گبرو جو زندانِ سلیمان میں قید ہے، اس کا نام بہرہ مند ہے۔ میرے پتا کے منتری کا بیٹا ہے۔ ایک روز مہاراج نے آگیا دی کہ جتنے راجہ اور کنور ہیں۔ میدان میں زیر جھروکے نکل کر تیر اندازی اور چوگان بازی کریں تو گھڑ چڑھی اور کسب ہر ایک کا ظاہر ہو۔ میں رانی کے نیڑے جو میری ماتا تھیں، ٹھاری پر او جھل بیٹھی تھی اور دائیاں اور سہیلیاں حاضر تھیں۔ تماشا دیکھتی تھی یہ دیوان کا پوت سب میں سندر تھا اور گھوڑے کو کاوے دے کر کسب کر رہا تھا۔ مجھ کو بھایا اور دل سے اس پر ریجھی، مدت تلک یہ بات گپت رکھی۔ آخر جب بہت بیاکل ہوئی، تب دائی سے کہا اور ڈھیر سا انعام دیا۔''

''سوداگر بچہ، یعنی بیٹی وزیر کی، اپنی ماں کے پانو پر جا گری اور روئی اور بولی کہ میں تمہاری جائی ہوں۔ سنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اے تتری! تو بڑی شتا ہو نکلی۔ اپنا منہ تو نے کالا کیا اور خاندان کو رسوا کیا۔ ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جا دفع ہو۔''

میر امن نے اپنی نثر میں عورتوں کی زبان کے بھی دلچسپ نمونے پیش کیے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ان کی تخلیق 'باغ و بہار' شاید واحد کتاب ہو جس میں اٹھارویں صدی کے اواخر کی دلی کی زنانہ زبان محفوظ کر دی گئی ہے۔

پہلے درویش کی بہن کے یہ جملے ملاحظہ ہوں:

''اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے، تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا''

بھائی کو رخصت کرتے ہوئے بہن کی زبان:

''آنسو پی کر بولی! سدھارو، تمھیں خدا کو سونپا پیٹھ دکھاتے جاتے ہو، اسی طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔''

شہزادی دمشق پہلے درویش کو کھری کھری سناتی ہے:

''چہ خوش! آپ ہمارے عاشق ہیں؟ مینڈکی کو بھی زکام ہوا... اگر کسی اور نے یہ حرکت بے معنی کی ہوتی پروردگار کی سوں اس کی بوٹیاں کٹوا چیلوں کو بانٹتی۔''

نسوانی کرداروں میں سب سے تیکھی گفتگو بادشاہ فرنگ کی کٹنی کرتی ہے جس کا حلیہ اور مکالمہ میرامن کی زبانی ملاحظہ ہو:

''ایک بڑھیا شیطان کی خالہ اس کا خدا کرے منہ کالا، ہاتھ میں تسبیح لٹکائے، برقع اوڑھے، دروازہ کھلا پا کر ندھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑی ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی کہ الٰہی تیری نتھ جوڑی، سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔ ایک بیٹی میری ہے وہ دو جی سے پورے دونوں دردزہ میں مرتی ہے اور مجھ کو اتنی وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل چراغ میں جلاؤں،۔۔۔۔اے صاحب زادی اپنی خیر، کچھ ٹکڑا پارچہ دلا، تو اس کو پانی پینے کا آدھار ہو۔''

کسی عہد کی تہذیب کو سمجھنے میں اس عہد کی طبقاتی زبان معاون ہوتی ہے۔ میرامن کے قصوں میں مختلف طبقات کا انداز گفتگو اس عہد کی اخلاقی قدروں کو سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔ جب کوئی وزیر بادشاہ کے روبرو بات کرتا ہے تو اس کا انداز اس طرح ہوتا ہے:

''اگر منصفی فرمایئے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر، دعا مانگا کریں، اس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا، دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف، عدالت غریب غربا کی فرمائیں، تو بندے خدا کے دامن دولت کے سائے میں امن وامان خوش رہیں۔''

جیوتشی جب بادشاہ سے بات کرتا ہے تو یوں گویا ہوتا ہے۔

''قبلۂ عالم! یہ برس سارا نحس ہے، کسی چاند میں کوئی تاریخ سعد نہیں ٹھہرتی۔''

جب شہزادیاں گفتگو کرتی ہیں:

''ملکہ نے آداب بجالا کر التماس کیا کہ یہ لونڈی وہی گنہ گار ہے جو غضب سلطانی کے باعث جنگل میں پہنچی۔''

حاتم کو نوفل کے دربار میں لے جانے والے لکڑہارے کی زبان:

''کیا ٹرٹر کرتی ہے؟ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں، تب لون روٹی میسر آوے یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے، لے اپنا کام کر۔''

کرداروں کی زبان کے حوالے سے پیش کی گئی مثالوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ میرامن کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع تھا، انھوں نے عوام کے بیچ زندگی گزاری تھی۔ اسی لیے ہر طبقے کے لب ولہجے سے ان کی واقفیت تھی۔ کرداروں کی زبانی ادا ہونے والے الفاظ طبقاتی تقسیم کو بھی ظاہر کرتے ہیں بادشاہ، وزیر، امرا کی گفتگو کا لہجہ اور لفظیات مختلف ہیں۔ خواتین اور مردوں کا انداز علیٰحدہ ہے۔ مختلف طبقوں کی گفتگو کا اندازہ بھی اس عہد کی تہذیب کو نمایاں کرتا ہے۔ میرامن کے نثر کی اس صفت کو بھی تقریباً ہر ناقد نے تسلیم کیا ہے کہ جہاں زبان کی سادگی اور سلاست پائی جاتی ہے وہیں اس میں اپنے عہد کی تہذیب بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس حوالے سے کہتے ہیں کہ:

''باغ و بہار میں دلی کی تہذیب بول رہی ہے اس کی تصویریں گردش کر رہی ہیں اس کے

امرا اس کے میلے ٹھیلے اس کے سیر وتماشے، اس کی ضیافتیں اس کی تقریبات، اس کے رسوم وقواعد، اس کے آداب ومراسم، غرض اس میں سب کچھ وہ ہے جو اس زمانے کی دلی میں تھا یا ہوسکتا تھا گویا یہ ایک زندگی کا نقشہ ہے۔''

میر امن اپنے بیان کو پُر شکوہ اور پُر تکلف نہیں بناتے بلکہ وہ عام بول چال کی زبان اور روزمرہ کا استعمال کرتے ہیں اور یہی ان کے اسلوب کی خوبی بن گئی ہے۔ پروفیسر گیان چند جین میر امن کی سادہ اور سلیس نثر کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ زبان آسان اور سریع الفہم ہے لیکن خشک، عاری، روکھی، پھیکی، اُبالی، کھچڑی نہیں، اس میں قدم قدم پر محاورہ و روزمرہ کی ملاحت ہے۔ امن کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہوتی جس میں جملوں کی در وبست، محاوروں کی بندش اعلیٰ نہ ہو۔ اس میں ایک پختہ نہر کی روانی ہوتی ہے۔''

یقیناً میر امن کی نثر میں پختہ نہر کی سی روانی موجود ہے، اور اس سادگی میں وہ پُر کاری ہے جو اس کی حلاوت میں اضافہ کرتی ہے۔ بقول خواجہ احمد فاروقی:

''بلاشبہ میر امن نے وہ نئی نثر ایجاد کی ہے جس کے جملے آج مصری کی ڈلیاں اور شربت کے گھونٹ ہیں۔''

5.3.5 تراکیب، قافیہ، الفاظ کی تکرار:

میر امن کی نثر میں ایک خوبصورت آہنگ پایا جاتا ہے اور یہی اس کی دلکشی کا راز بھی ہے۔ یہ آہنگ عموماً ہم قافیہ الفاظ سے پیدا ہوتا ہے جو اکثر مکالماتی جملوں میں بے ساختہ آئے ہیں۔ بعض جگہوں پر میر امن نے ہم قافیہ الفاظ لانے کا التزام بھی کیا ہے۔

میر امن جگہ جگہ فارسی الفاظ، تراکیب، تشبیہات اور استعارات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ان کا اسلوب کہیں بھی نوطرزِ مرصع یا فسانہ عجائب کی طرح مرصع، مسجع، اور مقفیٰ عبارت آرائی کے سبب ثقیل معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ میر امن کی سجع کاری افعال تک ہی محدود ہے اور وہ بھی بعض فقرے کے آخری لفظ سے ہم قافیہ ہے۔ یہ شاید اس احساس کا نتیجہ ہے کہ کوئی کتاب لکھی جا رہی ہے اور قدیم زمانے کی داستان ہے جو سنانے کے لیے تحریر کی جا رہی ہے۔ میر امن کی اس ہنر کا اندازہ کچھ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

''میں نے کہا کہ اجی اب پھر کب ملاقات ہوگی؟ یہ کیا تم نے غضب کی بات سنائی؟ اگر جلد آؤ گی تو مجھے جیتا پاؤ گی نہیں تو پچھتاؤ گی۔''

''کپڑے پھاڑنا، نہ کھانے کی سدھ نہ بھلے برے کی بدھ۔''

''معلوم نہیں خود بخود یہ کیا غضب ٹوٹا جوان کا آرام او کھانا پینا سب چھوٹا۔''

میر امن نے عام طور پر اپنی نثر کو شاعرانہ طریقوں سے موثر بنانے کے بجائے نثر کے خاص وسائل کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی اثر آفرینی کا یہ حربہ تکرار الفاظ اور تابع مہمل کا استعمال ہے، جس سے جوش اور خوش آہنگی پیدا کرنا مقصود ہے۔ مثلاً

''برس دن کے عرصے میں ہرج مرج کھینچتا ہوا شہر نیم روز میں جا پہنچا جتنے وہاں کے آدمی ہزاری اور بزاری نظر پڑے، سیاہ پوش تھے، جیسا احوال سنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا.......پہلی تاریخ، سارے لوگ اس شہر کے چھوٹے بڑے، لڑکے بالے، امرا ،بادشاہ،عورت مرد ایک میدان میں جمع ہوئے۔''

''اور فرمایا کہ احوال شہزادے کے طالعوں کا دیکھو اور جانچو اور جنم پتری درست کرو اور جو کچھ ہونا ہے، حقیقت پل پل، گھڑی گھڑی، اور پہر پہر اور دن دن، مہینے مہینے اور برس برس مفصل حضور میں عرض کرو۔''

''سارا بدن میرا پونچھ پانچھ کر خون وخاک سے پاک کیا اور شراب سے دھو دھا کر زخموں کو ٹانکے دے کر مرہم لگایا۔''

میرامن نے اپنی نثر میں تراکیبوں کا بھی استعمال کیا ہے۔انھوں نے توصیفی اور اضافی ترکیبوں کو آسان کرنے کے لیے بھی خاص کوشش کی ہے۔اگر چہ فارسی انداز پر ان مرکبات کا ایک فائدہ بھی ہوتا ہے کہ ان سے اختصار اور بعض اوقات صوتی خوش نمائی پیدا ہو جاتی ہے۔مرکبات توصیفی میں آسانی کی خاطر جملوں کا استعمال کیا ہے۔

''بموجب حکم بادشاہ کے اس آدھی رات میں کہ عین اندھیری تھی، ملکہ کو جو نرے بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی، بھوئی لے جا کر ایک میدان میں کہ وہاں پرندہ پر نہ مار سکتا تھا، انسان کا تو کیا ذکر ہے، چھوڑ کر چلے آئے۔''

''اس عمارت عالی شان کی تیاری کی خبر رفتہ رفتہ ظل سبحانی کو جو قبلہ گاہ ملک کے تھے پہنچی۔''

ایک روز بالا خانے پر محل کے، کہ بلند تھا، واسطے سیر اور تماشا در بار وصحرا کے میں بیٹھا تھا۔''

میرامن کی تصنیف 'باغ و بہار' کی ہر دلعزیزی اس کے منفرد اسلوب اور انوکھے انداز بیان میں مضمر ہے۔میرامن نے اسلوب کی یہ ندرت کبھی کسی چست محاورے کے ذریعہ پیدا کی ہے اور کبھی تشبیہ، تمثیل یا استعارے کے ذریعہ۔کہیں کہیں انھوں نے صنائع کا بھی التزام کیا ہے۔لیکن بالعموم میرامن کی نثر چھوٹے چھوٹے، سبک اور خوبصورت جملوں سے تشکیل پاتی ہے جو بظاہر بہت آسان ہے۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ پوری کی پوری 'باغ و بہار' اسی سلیس، بے ساختہ اور دلکش اسلوب میں نہیں لکھی گئی بلکہ کہیں کہیں اس کے جملے کا ادق اور پیچیدہ بھی ہیں۔یہ پیچیدگی یا تو جملوں مختلف اجزاء کی تقدیم وتاخیر سے پیدا ہوئی ہے یا کہیں کہیں بنیادی جملے میں کسی ضمنی جملے کی پیوندکاری سے سلاست میں کمی آگئی ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''میں نے اس کا دل بہت بے اختیار شوق میں ان کی خریداری کے پایا۔''

ایک بار لونڈی میری خاطر ترکستان سے میرا باپ لایا۔''

''بموجب حکم بادشاہ کے، اس آدھی رات میں کہ عین اندھیری تھی ملکہ کو جو جونرے

بھونرے میں پلی تھیں اور سوائے اپنے محل کے دوسری جگہ نہ دیکھی تھی بھولی لے جا کر ایک
میدان میں کہ وہاں پرندہ پر نہ مار سکتا، انسان کا تو کیا ذکر ہے چھوڑ کر چلے آئے۔''

مذکورہ چند مثالوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جملے فارسی عبارت آرائی کے زیرِ اثر تحریر کئے گئے۔ ان مثالوں میں 'کہ' کا استعمال بھی توجہ طلب ہے۔ میرامن عموماً توصیفی جملوں کو جو یا 'جو کہ' کے بجائے صرف 'کہ' سے شروع کرتے ہیں۔ جو آج ذہن پر گراں گزرتے ہیں۔

5.3.6 ہندی الفاظ کا استعمال:

باغ و بہار کی زبان میں جو رعنائی اور سلاست ملتی ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرامن نے موقع ومحل کی مناسبت سے ہندی کے بہت سارے ایسے ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کئے ہیں جو اب عموماً اردو میں نہیں بولے جاتے۔ اگر چہ زبان کے فطری ارتقا کا دھارا معاشرہ کی شعوری کوششوں سے نہیں رکتا اور شاید گزشتہ ایک صدی کے اردو ہندی اختلاف نے ان ہندی الفاظ کو ہمارے لیے اجنبی بنا دیا ہے لیکن اگر یہ الفاظ اردو میں رائج رہتے تو ہماری زبان کا دامن اور وسیع ہوتا۔ میرامن کی نثر میں مستعمل ہندی الفاظ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

''میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث پتر اور تخت کا پیدا ہو۔''

''اگر اس کو زندگی ہوئی تو تمھیں بڑا جس ہوگا۔''

''اسی دن اچھی ساعت شبھ لگن میں چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھ دیا۔''

خواجہ سگ پرست کی داستان میں چوں کہ ہندو معاشرہ کی تصویر کشی کی گئی ہے اس لیے محل وموقع کی مناسبت سے بہت سے ہندی الفاظ آئے ہیں۔

''ایک پنڈت میرے نزدیک آیا اور سمجھانے لگا کہ مانس ایک دن جنم پاتا ہے اور ایک روز ناس ہوتا ہے۔ دنیا کا یہ اوگن ہے۔ اب یہ تیری استری اور پوت اور دھن اور چالیس دن کا اسباب بھوجن کا موجود ہے اس کو لے اور یہاں رہ۔''

کہیں کہیں ہندی دوہوں کے ذریعہ بھی میرامن نے اپنی نثر کو مزین کیا ہے۔

میرامن کی نثر میں چاہے واقعات کا بیان ہو یا لفظیات کا استعمال ہر قدم پر میرامن کی ذہانت اور سبب تالیف کا اظہار ہوتا ہے۔ واقعات کی تفصیلات ذہانت کو ظاہر کرتی ہیں اور عوام وخواص میں مستعمل سینکڑوں الفاظ کو یکجا کر کے فورٹ ولیم کالج کے قیام کا مقصد پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ کتاب پڑھنے والے کو زیادہ سے زیادہ عام بول چال کے الفاظ کا علم ہوتا ہے، گل کرسٹ کی خواہش بھی یہی تھی کہ بول چال کی زبان میں کتاب لکھی جائے۔ میر امن نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور سادہ بیانیہ میں داستانی اسلوب کو برت کر وہ کارنامہ انجام دیا جو اردو ادب کا شاہکار ثابت ہوا اور آج بھی اس کی سادگی و پرکاری دیدہ زیب ہے۔

5.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ

- میرامن دہلوی اوران کی تصانیف سے متعارف ہوئے۔
- ''باغ و بہار'' کے اسلوب سے واقف ہوئے۔
- اردو ادب میں سادہ نثر کی ابتدا و ارتقاء کو بھی جان سکے۔
- داستان میں مستعمل محاوروں اور روزمرہ سے واقف ہوئے۔
- داستان میں کرداروں کی زبان کی خصوصیات سے بھی واقف ہوئے۔
- میرامن دہلوی کی زبان کے محاسن اور اسلوب سے واقف ہوئے۔

5.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1- میرامن نے ''باغ و بہار'' کس کی فرمائش پر لکھی؟

2- میرامن کی داستان ''باغ و بہار'' کس کتاب کا ترجمہ ہے؟

3- میرامن نے کس طرح کی نثر کی ایجاد کی؟

4- ''باغ و بہار'' کے کرداروں کی زبان کی خصوصیات بتائیے۔

5- ''باغ و بہار'' میں ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ امثال کے ساتھ وضاحت کیجیے۔

5.6 سوالوں کے جوابات

1- میرامن نے ''باغ و بہار'' جان گلکرسٹ کی فرمائش پر لکھی۔

2- میرامن دہلوی نے میر محمد حسین عطا خاں تحسین کی کتاب ''نوطرز مرصع'' کو ''باغ و بہار'' کے نام سے ترجمہ کیا۔

3- میرامن نے اردو ادب میں سادہ نثر کی لکھنے کی روایت شروع کی۔

4- ''باغ و بہار'' میں کرداروں کی زبان مقتضائے حال کے مطابق ہے۔ طرز گفتگو میں حسب مراتب کا خیال رکھا گیا ہے۔ مکالمے ایسے فطری انداز میں ادا ہوئے ہیں کہ کرداروں میں جان پڑ گئی ہے۔ مثال کے طور پر فقیرنی کا لہجہ ملاحظہ ہو۔

''تیری نتھ چوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔''

عورت کا لب و لہجہ دیکھیے:

''یہ نگوڑا جو کہتا گیا میں مانتی گئی۔ اب یہ ناچ نچا کر مجھے کوٹھے پر لے گیا۔ میرے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور انگاروں پر لوٹنے لگی۔''

-5 ''باغ و بہار'' میں دلی کی تہذیب بول رہی ہے۔ اس کے افراد، اس کے میلے ٹھیلے، اس کی ضیافتیں، اس کی تقریبات، رسوم وقواعد، آداب ومراسم غرض اس میں وہ سب کچھ ہے جو اس وقت دلی کا ماحول تھا۔ ''باغ و بہار'' ایک تہذیب کی آواز ہی نہیں بلکہ اس زمانے کے ذہنی رجحانات کا آئینہ دار بھی ہے۔ اس میں جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں یا کرداروں کی زبان سے جتنی باتیں کہلائی گئی ہیں ان میں دہلوی تہذیب ومعاشرت کی گہری چھاپ ہے۔ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے یہ کتاب اپنے عہد کی ایک معاشرتی دستاویز بن گئی ہے۔ زیور پہننا ہندوستانی تہذیب کی ایک نمایاں صفت ہے۔ بوڑھی عورتیں بھی اس کی شائق ہوتی ہیں:

''ایک بوڑھی سی عورت صلیب قیامت کرسی پر گہنا پاتا پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔''

گڈے گڑیا کا کھیل، گلگلہ کا ذکر، رخصت کے وقت امام ضامن کا روپیہ باندھنا، ماتھے پر دہی کا ٹیکہ لگانا، مہادیو کا منڈپ، شیوراتری وغیرہ کا ذکر ''باغ و بہار'' میں موجود ہے جو ہندوستانی رسوم کی جھلک ہے۔ محلوں کا نقشہ، کھانے پینے کا اہتمام، بادشاہوں کے دربار، شہزادوں اور شہزادیوں کے ٹھاٹ، ان کے لباس، جشن کے موقعے کے نقشے، ثقہ لکھنے کا اہتمام وغیرہ کا ایسا جیتا جاگتا بیان ہے کہ عہد مغلیہ کی جھلک نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ قصے چاہے جہاں کے ہوں ان کی فضا مکمل ہندوستانی معلوم ہوتی ہے۔

5.7 فرہنگ

معرکۃ الآرا	زبردست
سحرکاری	جادو
مرورایام	دنوں کا گزران
اصیل	شریف، خالص نسل کا
میلان	رجحان، رغبت
تخاطب	سامنے ہوکر باتیں کرنا
مہمل	بے معنی، فضول
سند	دست آویز
برمحل	مناسب جگہ
اختصار	چھوٹا کرنا
ایجاز	مختصر کرنا
متروک	ترک کیا ہوا، چھوڑا ہوا

ضرب المثل	کہاوت
فدوی	عاشق، فدا ہونے والا
مرصع	بناوٹ
مسجع	وہ نثری عبارت جس کے جملے ہم قافیہ ہوں
مقفیٰ	قافیہ کیا گیا

5.8 کتب برائے مطالعہ

اردو داستان تحقیق وتنقید	قمرالہدیٰ فریدی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۲۰۰۰ء
اردو داستان (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر سہیل بخاری	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	۱۹۸۷ء
داستان کا فن	اطہر پرویز	اردو گھر، علی گڑھ	۲۰۱۰ء
اردو زبان اور فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد	دائرہ ادب، پٹنہ	
باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ نقوی	اردو پبلشرز، لکھنؤ	۱۹۷۵ء
داستان سے ناول تک	ڈاکٹر ابن کنول		۲۰۰۱ء

اکائی 6 میرامن دہلوی کی داستان نگاری

ساخت

6.1 اغراض ومقاصد

6.2 تمہید

6.3 میرامن دہلوی کی داستان نگاری کی خصوصیات

6.3.1 میرامن دہلوی کا اسلوب

6.3.2 میرامن دہلوی کی زبان

6.3.3 میرامن دہلوی کے اسلوب کی دلکشی

6.3.4 میرامن دہلوی کی داستان میں معاشرت کی عکاسی

6.4 آپ نے کیا سیکھا

6.5 اپنا امتحان خود لیجیے

6.6 سوالوں کے جوابات

6.7 فرہنگ

6.8 کتب برائے مطالعہ

6.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- میرامن دہلوی کی داستان نگاری کی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔
- میرامن دہلوی کے اسلوب، زبان اوراسکی دل کشی کو جان سکیں گے۔
- میرامن دہلوی کی داستان 'باغ و بہار' کی مقبولیت کے اسباب کو بھی جان سکیں گے۔
- 'باغ و بہار' کی تصنیف کے وقت کی ہندوستانی معاشرت سے متعارف ہوں گے۔
- میرامن کے توسط سے دہلوی تہذیب وتمدن سے بھی واقف ہوں گے۔

6.2 تمہید

اردو ادب کی تاریخ میں میرامن دہلوی ایک ایسا نام ہے جس نے ''باغ و بہار'' اور'' گنج خوبی'' جیسی معرکتہ الآرا کتابیں لکھ کر اردو زبان کو بال و پر عطا کیا اور اردو ادب کو سادہ، رواں اور سلیس اسلوب سے بہرور کیا مگر ان کی حیات اور خدمات پر اب تک مکمل کتابیں بہت کم دستیاب ہیں۔ لہذا میرامن دہلوی پر ان کے شایان شان اردو میں کام نہ ہوسکا، ان کے مقام و مرتبے کا تعین کرنے اور ان کی حیات کو اردو زبان وادب کے لئے حیات

بخش قرار دینے میں کچھ متفرق تحریریں البتہ مل جاتی ہیں۔

اردو ادب کی دوسری اصناف کی طرح داستان نگاری کا رواج بھی فارسی سے اردو میں رائج ہوا۔ اردو کی پہلی با قاعدہ داستان 'سب رس' قرار پاتی ہے جو دکن کے مشہور بادشاہ قلی قطب شاہ کے عہد میں ملا وجہی نے 1635" ء میں لکھی۔ 1730ء کے آس پاس قلم بند دوسری اہم داستان 'قصۂ مہر افروز دلبر' ہے جس میں عیسوی خاں بہادر نے مہر افروز دلبر کی داستانِ معاشقہ بڑے دلچسپ انداز میں پیش کی ہے۔ زبان اس قصے کی بھی اردوئے قدیم ہے جس کا سمجھنا آسان نہیں۔ اس کے بہت سے الفاظ آج متروک ہیں۔ اردو داستان کی تاریخ میں تیسری قابلِ ذکر داستان ' عجائب القصص، ہے جسے دلی کے ایک نابینا بادشاہ، شاہ عالم ثانی نے 93-1792ء میں تحریر کی۔ اسی عہد میں مشہور صوفی حضرت گیسو دراز بندہ نواز کی معراج العاشقین سامنے آئی۔ اردو کی نثری داستانوں میں انشا اللہ خاں کی 'رانی کیتکی کی کہانی، کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شمالی ہند میں لکھی جانے والی یہ پہلی داستان ہے جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی۔ اس داستان کی پذیرائی بھی خوب ہوئی۔ آج بھی یہ کتاب اردو کی چند مقبول ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی کے بعد اردو کی جس داستان کو شہرت ملی وہ میرامن دہلوی کی 'باغ و بہار' ہے۔ اپنے منفرد اندازِ بیان اور سلیس و برجستہ زبان کی بدولت 'باغ و بہار' کو سب سے زیادہ قبولِ عام کا درجہ حاصل ہوا۔ باغ و بہار میں دہلی کی معاشرت کی عکاسی کی گئی ہے۔ 'باغ و بہار' میرامن دہلوی کی داستانوی کتاب ہے جو اُنھوں نے فورٹ ولیم کالج میں گلکرسٹ کی فرمائش پر لکھی۔ بقول سید محمد:

> ''میرامن نے 'باغ و بہار' میں ایسی سحر کاری کی ہے کہ جب تک اردو زبان زندہ ہے مقبول رہے گی اور اس کی قدر و قیمت میں مرورِ ایام کے ساتھ کوئی کمی نہ ہوگی۔'' بقول سید وقار عظیم: داستانوں میں جو قبول عام ''باغ و بہار'' کے حصے میں آیا ہے وہ اردو کی کسی اور داستان کو نصیب نہیں ہوا۔''

میرامن نے 'باغ و بہار' جان گل کرسٹ کی فرمائش پر فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے زمانے میں میر حسین عطا تحسین کی 'نوطرز مرصع' سے ترجمہ کی اور اس طرح یہ داستان اردو نثر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اردو نثر میں پہلی مرتبہ سلیس اور آسان عبارت کا رواج ہوا جو اِسی داستان کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ آگے چل کر غالب کی نثر نے اس کو کمال تک پہنچا دیا۔ اسی لئے مولوی عبدالحق کا کہنا ہے کہ اردو نثر کی ان چند کتابوں میں 'باغ و بہار' کو شمار کیا جاتا ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور شوق سے پڑھی جائیں گی۔

6.3 میرامن کی داستان نگاری کی خصوصیات

6.3.1 میرامن دہلوی کا اسلوب:

اردو کے نثری سرمائے میں 'باغ و بہار' ایک ایسی کتاب ہے، جس کا جادو دو سو سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود قائم ہے اور جس کی شہرت و مقبولیت میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ اس کتاب نے اردو نثر کو ایک نئی سمت عطا کی۔ 'باغ و بہار' بنیادی طور پر ترجمہ ہے مگر اس کی شہرت اصل کتاب سے کہیں زیادہ ہے۔ ترجمہ اتنا خوبصورت اور سلیس ہے کہ طبع زاد کا گمان ہوتا ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ اس ترجمے کا نہ صرف انگریزی میں ترجمہ ہوا بلکہ اردو کے مشہور محقق گارساں دتاسی نے فرانسیسی میں بھی اس کا ترجمہ کیا۔ گفتگو کی زبان میں لکھی گئی یہ

داستان 'باغ و بہار' کے نام سے مشہور ہے۔ میر امّن دہلوی فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ہندوستانی شعبے میں تیسرے درجے کے ملازم تھے اور ان کی تنخواہ بھی دوسرے مصنفین اور مترجمین کے مقابلے میں کم تھی مگر محنت اور لگن نے میر امّن دہلوی کے 'باغ و بہار' کو آج بھی سرسبز رکھا ہے۔ اس کی غیر معمولی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ اس کا دلکش اور دلنشین انداز بیان ہے۔ جو اسے اردو زبان میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ ارباب نثر اردو کے مولّف مولوی سید محمد میر امن دہلوی کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میر امن نے اپنی کتاب 'باغ و بہار' میں ایسی سحر کاری کی ہے کہ وہی اب تک مقبول ہے اور جب تک اردو زبان زندہ ہے مقبول رہے گی اور اس کی قدر و قیمت میں مرور ایام کے ساتھ کوئی کمی نہ ہوگی۔ میر امن خاص دلی کے باشندے تھے، دہلی کی اردوئے معلّٰی ان کی زبان تھی۔ باغ و بہار انھوں نے اسی ٹکسالی زبان میں لکھی ہے یہی وجہ ہے کہ زبان کا ذوق رکھنے والے جب کبھی ان کی کتاب پڑھتے ہیں تو چٹخارے لیتے ہیں اور ایک ایک جملے اور فقرے پر ان کی زبان سے واہ واہ نکلتی ہے۔''

(ارباب نثر اردو ص ۵۶-۵۵)

فورٹ ولیم کالج سے وابستگی کے بعد میر امّن کو پہلا کام قصہ 'چہار درویش' کے اردو ترجمہ کا ملا۔ انھوں نے جان گل کرسٹ کی ہدایت کے مطابق ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں اس کتاب کا ترجمہ کیا اور اتنا عمدہ ترجمہ کیا کہ کالج کی طرف سے اس پر 500 روپیہ کا انعام دیا گیا۔ انھوں نے عطا حسین خاں تحسین کی 'نوطرز مرصع' کو سامنے ضرور رکھا مگر اپنے طور پر اتنی تبدیلیاں کر دیں کہ اصل کتاب گم ہوگئی۔ 'باغ و بہار' میں چار درویشوں کی سرگزشت ہے اور آزاد بخت اس کے مرکزی کردار ہیں۔

میر امّن نے ترجمہ میں عربی، فارسی سے گریز کر کے ہندوی کا کثرت سے استعمال کیا ہے اور دلّی کی زبان کو بنیاد بنایا ہے۔ انھوں نے ترجمہ کرتے ہوئے مروجہ قواعد سے بھی انحراف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین نے 'باغ و بہار' میں قواعد کی غلطیاں بھی نکالی ہیں اور یہ لکھا ہے کہ اس میں واحد جمع اور تذکیر و تانیث کا بھی خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود 'باغ و بہار' کی نثر بے مثال اور بے نظیر ہے۔

فورٹ ولیم کالج کی بیشتر تالیفات میں لکھنے والوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر دی کی کتاب کی زبان سادہ، سلیس ہو اور روزمرہ محاورے ہوں اور بول چال کی زبان ہو، تاکہ نو وارد انگریزوں کو مقامی زبان و بیان اور تہذیب و معاشرت سے آشنا کرایا جا سکے۔ 'باغ و بہار' کی مِن جملہ دوسری خوبیوں کے زبان و بیان کے لحاظ سے بھی فورٹ ولیم کالج کی دوسری کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ 'باغ و بہار' کی اس فوقیت کے پیش نظر یہ قول بہت مشہور ہوا کہ میر امن دہلوی کا اردو نثر میں وہی مرتبہ ہے جو میر کا غزل گوئی میں۔

6.3.2 میر امن کی زبان:

باغ و بہار کی اشاعت سے لے کر آج تک اردو کے ہر اہم نقاد نے میر امن کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور ان کے بے مثال اسلوب کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی نثر کی خصوصیات پر بحث کی ہے۔ اس نقد و تجزیہ میں اگرچہ بعض نقادوں کے یہاں معروضیت پر جذباتیت غالب آ گئی ہے لیکن یہ امر بہرحال مسلم ہے کہ میر امن کے اسلوب میں

کچھ ایسی دل کشی اور رعنائی ہے کہ ہر صاحب دل بے اختیار اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یوروپی دانشور ڈنکن فاربس جس نے اپنی زندگی کے کئی اہم ماہ وسال 'باغ و بہار' کی تدوین واشاعت میں گزارے تھے، اردو نثر میں میر امن کا درجہ متین کرتے ہوئے اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

''عطا حسین تحسین خاں نے 'نوطرز مرصع' کے عنوان سے اس (فارسی قصہ چہار درویش) کا ترجمہ تو کیا لیکن عربی و فارسی محاورات کی کثرت اور پر تکلف اسلوب کی بنا پر اسے زبان کے نمونے کی حیثیت سے پسند نہ کیا جاسکا۔ یہ قباحت دور کرنے کے لیے حوالۂ بالا ترجمہ سے میر امن دلّی والے نے جو کہ کالج سے وابستہ مقامی فضلا میں سے ہیں، اس کو قلم بند کیا اور ہندوستانی طالب علموں پر فوراً یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس نے کس خوش اسلوبی سے ریختہ کے محاوروں کی برتری کے ساتھ ساتھ اسلوب کی سادگی اور زبان کی صفائی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جس سے زبان پر اس کی قدرت عیاں ہوتی ہے۔ کتاب میں مشرقی آداب وروایات کی دل خوش کن تفاصیل ملتی ہیں اور کوثر و تسنیم میں ڈھلی زبان اسے ایک حد تک اصل تصنیف بنا دیتی ہے۔ اس بنا پر ہندوستان کی اس مقبول زبان میں حالیہ شائع شدہ کتابوں میں یہ ایک کارآمد اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے''

(بحوالہ 'باغ و بہار' مرتبہ سلیم اختر مقدمہ ص 268)

انیسویں صدی کے ممتاز دانشور سر سید احمد خاں اپنے خاص انداز میں میر امن کے ادبی مرتبہ کو متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اردو نثر لکھنے والوں میں میر امن جس نے باغ بہار لکھ سب پر فوق لے گیا، حقیقت میں نظم لکھتے ہیں جیسا کہ کمال میرؔ کو ہے نثر لکھنے میں ویسا ہی کمال میر امن کو ہے'' (آثار الصنادید، سر سید احمد خاں طبع دوم مطبع احمدی واقع دہلی با ہتمام شیخ ظفر علی۔ ۱۸۵۳ء تیسرا باب ص ۱۰۶)

مولوی عبدالحق 'باغ و بہار' کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

'''باغ و بہار' اپنے وقت کی نہایت فصیح اور سلیس زبان میں لکھی گئی داستان ہے۔ میر امن خاص دلّی کے رہنے والے تھے اور اُن کی زبان ٹھیٹ دلّی کی زبان ہے اور ان کا لکھنا سند ہے۔''

(مقدمہ 'باغ و بہار' ص 12)

باغ و بہار کے دیباچے میں میر امن نے اپنے تئیں دلی کا روڑا لکھا ہے۔ اور پشتوں سے دلی میں رہائش پزیر ہونے کے ناطے خود کو زبان کا شناسا بتایا ہے۔ اور اپنی زبان کو دلی کی مستند زبان کہا۔

''اردو کی پرانی کتابوں میں کوئی کتاب زبان کی فصاحت اور سلاست کے لحاظ سے لگا نہیں کھاتی۔ اگر چہ زبان نے بہت کچھ پلٹا کھایا ہے الفاظ و محاورات اور فقرات و تراکیب میں مختلف النوع تغیرات آ گئے ہیں اُس وقت اور اس وقت کی زبان میں بڑا بل ہے تاہم 'باغ و بہار' اب بھی پڑھنے کے قابل ہے جیسے پہلے تھی۔ مصنف کو زبان پر بڑی قدرت ہے اور وہ ہر موقع پر اسی کے مناسب ٹھیٹ الفاظ استعمال کرتا ہے اور ہر

کیفیت اور واردات کا نقشہ ایسی خوبی کے ساتھ کھینچتا ہے کہ اس کے کمال انشا پردازی کی داد دینی پڑتی ہے' ' (مقدمہ 'باغ و بہار' مرتبہ عبدالحق ص 13)

میر امن کی زبان کی سادگی: میر امّن نے باغ و بہار میں نہایت سادہ اور دل کش اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے میر امن کی سادگی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پڑھنے والے کے ذہن پر کسی جگہ بھی اکتاہٹ اور تھکاوٹ کا بوجھ نہیں ڈالتی بقول کلیم الدین احمد، ' ' باغ و بہار کی سادگی سپاٹ نہیں اس میں ناگوار نیرنگی نہیں یہاں سادگی و پرکاری بیک وقت جمع ہیں۔' '

زبان کو سادگی کے دائرے میں رکھنے والے کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ اس کی سادگی پر عمومیت اور بعض صورتوں میں عامیانہ پن کا سایہ نہ پڑ جائے۔ اکثر نثر نگاروں سے یہ لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ سید وقار عظیم ' ' ہماری داستان' ' میں لکھتے ہیں، ' ' میر امن کے طرز بیان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی سادگی ہمیشہ عمومیت اور ابتذال کے داغوں سے پاک رہی ہے اس سادگی کی ایک تہذیبی سطح ہے اور میر امن کبھی اس تہذیبی سطح سے نیچے نہیں اترتے۔

الفاظ کا برمحل استعمال: لفظ کو اس کے صحیح مفہوم میں موقع محل کی مناسبت سے استعمال کرنا اصل انشاء پردازی ہے اور یہی میر امن کا فن ہے۔ ڈاکٹر ممتاز میر امن کے سلسلے میں لکھتے ہیں' ' ان کا ہر بیان نہایت کامیاب ہے ان کے پاس الفاظ کا وسیع ذخیرہ بھی موجود ہے اور پھر اس کے استعمال پر یہ قدرت کہ جو لفظ جہاں استعمال کر دیا وہ عبارت کا جزوِ ناگزیر بن گیا جو صنعت کسی موصوف کے لئے استعمال کی وہ اس کا ایسا حصہ بن کر رہ گئی کہ گویا صرف اسی کے لئے وضع ہوئی تھی۔' '

الفاظ کے استعمال میں میر امن دہلوی کا اعتدال پسند رویہ: فارسی الفاظ، تراکیب، تشبیہات اور استعارات کے اثرات سے بچ کر اردو لکھنا آج بھی شوار ہے۔ لیکن میر امن نے اپنی تحریروں میں اعتدال کی روش کو اپنایا ہے۔ ان کی نثر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں عربی، فارسی کے الفاظ کم اور ٹھیٹھ اردو کے الفاظ زیادہ ہیں، میر امّن بدیسی الفاظ سے مرعوب ہو کر اپنے مقامی الفاظ کو نہیں بھولتے، قدیم فارسی تشبیہوں اور استعاروں کے ساتھ ساتھ اپنے بے تکلف اور لطیف استعارات اور تشبیہات کو بھی بڑے قرینے سے جملوں میں پروتے ہیں۔ مقامی الفاظ کے لطیف اور مناسب استعمال نے میر امن کے یہاں اخلاقیات کو ادب کا جز بنا دیا ہے۔ وہ حکمت و دانش اور پند و نصیحت کی باتیں بھی اس خوبصورتی سے بیان کر جاتے ہیں کہ کانوں کے راہ سیدھی دل پر اثر کر جاتی ہیں۔ بقول سید وقار عظیم ' ' میر امن کو لفظوں پر قدرت ہے وہ آسان ہندوستانی لفظوں سے مرکبات بنا کر اور ہندوستانی کے معمولی الفاظ استعمال کر کے اپنی بات کا وزن اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔' '

روزمرہ اور محاوروں کا استعمال: روزمرہ اور محاوروں کے صحیح اور متوازن استعمال سے کسی بھی تخلیق کار کی تخلیق کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ میر امن نے اپنی زبان میں روزمرہ اور محاورں کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ بول چال کے انداز کو تحریری زبان پر ہر جگہ ترجیح دی ہے۔ اگر چہ میر امن ایک فرمائش کی تعمیل میں اپنی عبارت کو محاوروں سے مزّین کر رہے تھے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ ان کی بامحاورہ زبان ایک بہترین داستان گوئی کے فطری عمل کی تکمیل معلوم ہوتی ہے۔ کہانی کی صورت حال اور افرادِ قصہ کی کیفیت کے اظہار سے محاورہ آپ ہی اپنی شرح بھی ہو جاتا ہے۔ بقول پروفیسر حمید احمد خاں ' ' اردو نثر روزمرہ کی روانی اور ٹھیٹھ محاورے کے لطف سے پہلی مرتبہ 'باغ و بہار' میں آشنا ہوئی۔' '

اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ: میر امن ماہر زبان تھے انھوں نے اردو کو مالا مال کرنے کے لئے بہت سے الفاظ اور محاورے تخلیق کیے۔ بہت سے الفاظ اور محاورے میر امن کے علاوہ کسی اور ادیب کے ہاں مستعمل نہیں۔ اس طرح میر امّن نے نئے الفاظ کا کثیر سرمایہ اردو زبان کو عطا کیا۔ پروفیسر گیان چند جین اپنے تحقیقی مقالے ''اردو کی نثری داستانیں'' میں 'باغ و بہار' اور میر امن پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میر امن ماہر زبان تھے یہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اردو کو مالا مال کرنے کے لیے نہ صرف ہندی اور بول چال کے الفاظ کھپائے بلکہ کتنے ہی الفاظ اور محاورے تخلیق کر دیئے۔ اگر کوئی ایک نیا لفظ یا ایک محاورہ بھی وضع کر دے اس کے لیے باعث فخر ہوگا۔ امّن نے تو اردو کو اس قدر نئے الفاظ دیئے۔ 'باغ و بہار' ان چند کتابوں میں سے ہے جن کی زبان اور طرز بیان ان کے نفس مضمون سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ایک اسلوب کی نمائندہ ہے۔''

(اردو کی نثری داستانیں، ص298)

6.3.3 میر امن دہلوی کے اسلوب کی دلکشی:

مولوی سید محمد 'ارباب نثر اردو' میں میر امن کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''باغ و بہار کی زبان کے علاوہ طرز بیان میں بھی ایسی دل کشی اور دل فریبی ہے کہ قصوں کے طویل ہونے اور قصہ کے بیچ میں قصہ آ جانے کے باوجود طبیعت اکتاتی نہیں اور جی یہی چاہتا ہے کہ کتاب ختم کیے بغیر نہ رکھی جائے۔ فورٹ ولیم کالج کے نثر نویسوں میں کسی اور کے طرز بیان میں یہ دلکشی نہیں۔ اگر کسی کی زبان اور طرز بیان میر امن کے لگ بھگ ہوسکتا ہے تو وہ صرف شیر علی افسوس ہیں۔ مگر ان کا طرز بیان بھی میر امن کا سا سادہ اور پر لطف نہیں ہے۔'' (ص53)

میر امن کو علم تھا کہ کس موقع پر کون سی بات کس حد تک پھیلا کر اور کس حد تک مختصر کر کے بیان کی جائے کہ وہ تصویر کشی، واقع نگاری، کردار اور سیرت کی مصوری اور افسانوں میں دلچسپی کے مطالبات پورا کر سکے اور اس لئے جہاں اُن کی داستان میں ہمیں واقعات کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ایسے موقعے بھی بے شمار ہیں کہ انھوں نے اپنی بات کو سمیٹ کر تھوڑے سے لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ میر امن کہانی بناتے وقت یہ بات کبھی نہیں بھولتے کہ بات کتنے لفظوں میں کہنی چاہیے تاکہ بات کا تاثر اور دلکشی برقرار رہ سکے۔ بقول سید وقار عظیم ''میر امن کی عبارت میں ناظر یا سامع کو اپنے اندر جذب کر لینے کی جو خصوصیت ہے اس میں اور بہت سی چیزوں کے ساتھ اس بات کو بھی اہمیت حاصل ہے کہ ہر بات اتنے ہی لفظوں میں کہی جاتی ہے جتنے اُسے موثر اور دل کش بنانے کے لئے ضروری ہے۔''

میر امن تصویروں کو متحرک اور زندہ تصویریں بناتے ہوئے قارئین کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہیں اس میں فکری گہرائیوں کے بجائے فوری پن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ ہر آدمی اس سے لطف اٹھا سکے۔ وہ اس مقصد کے پیش نظر ایسی سادہ تشبیہوں کا استعمال کرتے ہیں کہ جو روزمرہ زندگی سے متعلق ہیں اور اس کے باوجود اپنے اندر بڑی ندرت رکھتی ہیں میر امن تشبیہوں کے علاوہ تمثیلوں سے بھی کام لیتے ہیں۔

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو ' باغ و بہار' ان چند کتابوں میں سے ہے۔ جن کی زبان اور طرز بیان ان کے نفس مضمون سے زیادہ اہم ہے یہ ایک ایسے اسلوب کی نمائندہ ہے جس کی کوئی تقلید نہ کر سکا۔ ' باغ و بہار' کی ان ہی خصوصیات کے پیش نظر پروفیسر حمید احمد خاں لکھتے ہیں، '' میر امن کی باغ و بہار پاکیزہ اور شفاف اردو کا ابلتا ہوا چشمہ ہے۔'' اور میر امن دہلوی کی زبان کے مولوی عبدالحق بھی ہمیشہ گن گاتے رہے اور یہاں تک کہہ گئے کہ '' میں جب اردو بولنے لگتا ہوں تو ' باغ و بہار' پڑھتا ہوں۔'' مولوی سید محمد ' ارباب نثر اردو میں' میر امن کے اثر کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> '' میر امن کے طرز بیان کی مقبولیت نے بہت سے مصنفین میں ان کی تقلید کا شوق پیدا کیا ان میں مولانا نذیر احمد دہلوی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ان کی ' توبتہ النصوح' میں ' باغ و بہار' کی بہت سی جھلکیاں نظر آتی ہیں اور دونوں کی زبان و بیان کا مقابلہ کیا جائے تو سوا سو برس میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ظاہر ہو جائیں گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں میں کس قدر یکسانیت ہے۔ مولانا نذیر احمد کے مقلدین مولوی راشد الخیری و بشیر الدین احمد دہلوی میں بھی میر امن کے طرز کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔'' (ارباب نثر اردو ص 54)

6.3.4 میر امن دہلوی کی داستان میں معاشرت کی عکاسی:

میر امن، دہلی (دلی) کے رہنے والے تھے۔ دلی کی تہذیبی زندگی کے تمام لوازمات اپنی جزئیات و تفصیلات کے ساتھ ' باغ و بہار' میں بڑے موثر انداز میں پیش کئے ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین اپنے مقالے میں لکھتے ہیں کہ '' معاشرت کی مرقع نگاری ' باغ و بہار' کا طرہ امتیاز ہے۔ میر امن نے جس شے کا ذکر کیا ہے تفصیل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ انہوں نے شعوری طور پر اپنی تصنیف میں دلی کی معاشرت کے نقوش کو جا بجا محفوظ کر لیا ہے۔

' باغ و بہار' میں دلی کی معاشرت کی بھرپور تصویریں ملتی ہیں۔ قصوں کے منظر فارس و عجم کے ہیں لیکن ان کی معاشرت دلی کے مغل دربار کی ہے۔ بقول مولوی عبدالحق '' میر امن قصہ روم و شام چین و ایران لکھتے ہیں لیکن جب موقع آتا ہے تو ہمارے مرثیہ گو شاعروں کی طرح آداب و رسوم اپنے ہی دیس کے بیان کرتے ہیں''۔ ' باغ و بہار' نہ صرف دلی کی معاشرت کی آئینہ دار ہے بلکہ اس میں دہلوی ذہن بھی اجاگر نظر آتا ہے معنوی طور پر میر امن کی داستان نویسی نے اردو ادب میں بعض قابل ذکر اضافے کئے ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں واقعیت نگاری کا وہ عنصر ہے جس سے ' باغ و بہار' کی عبارت بھری پڑی ہے۔ جزئیات سے میر امن کو ایک سچے مصور کی طرح محبت ہے۔ وہ جزئیات کی مدد سے اپنی تصویروں میں زندگی کا رنگ بھرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قصہ چہار درویش میں شاہ و گدا، امیر و وزیر اور سوداگر اصل بازار میں ہمارے ہزار سالہ معاشرتی پس منظر کے سامنے اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

میر امن کی داستان میں یوں تو ہر صفحے پر دہلویت جلوہ افروز ہے لیکن بعض گوشے ایسے ہیں جہاں یہ رنگ زیادہ چوکھا ہے۔ خصوصاً پہلے درویش کے قصے میں دہلویت کا رنگ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے۔ ' باغ و بہار' تہذیبی اور تاریخی نقطہ نظر سے بڑی اہم اور دلچسپ داستان ہے۔ اس کے صفحات پر پھیلا ہوا رنگِ معاشرت محض تخیل کا بیان نہیں بلکہ حقیقت و واقعیت کی خوش بیانی ہے۔ بقول ممتاز حسین، '' قوت متخیلہ حقیقت پر ایک رنگین فانوس چڑھاتی ہے نہ کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں لاتی ہے۔'' میر امن کی سادہ بیانی کا

ذکر کرتے ہوئے پروفیسر وقار عظیم لکھتے ہیں:

> ''میر امن کی سادگی، سلاست اور فصاحت میں دلی کی گلیوں میں رہنے، بسنے اور وہاں کی محل سراؤں اور قلعۂ معلّٰی کی شہ نشینیوں میں پرورش پانے والی روایت کی سجاوٹ اور رچاؤ بھی ہے۔ اور ان کے رنگ طبیعت کی لطافت اور ستھرا پن بھی، اور یہی وجہ ہے کہ نہ سلاست و فصاحت کا زور کم ہوتا ہے، نہ اس کا رنگ پھیکا پڑتا ہے اور ہر زمانے کا پڑھنے والا اس کی سادہ پُرکاری سے متاثر ہوتا ہے، اور اس کے مزے لیتا ہے اور میر امن کی قدامت کے باوجود اسے سراہتا اور عزیز رکھتا ہے .... میر امن کی سادگی کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ پڑھنے والے کے ذہن پر کسی اکتاہٹ یا تھکاوٹ کا بوجھ نہیں ڈالتی۔ میر امن کو زبان و بیان پر جو قدرت ہے اور ان کے تصرف میں الفاظ کا جو وسیع سرمایہ ہے وہ بات میں نہ تکرار پیدا ہونے دیتا ہے اور نہ اسے خشک اور بے مزہ بناتا ہے۔'' (ہماری داستانیں ص 31)

یوں تو باغ و بہار ایک داستان ہے اس کی حیثیت اردو کے افسانوی ادب میں ایک سنگ میل کی ہے اور اسے زبان و ادب کے ایک شاہکار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ یہ اپنے زمانے کی اجتماعی زندگی کی ایک مکمل دستاویز ہے۔ یہ اپنے عہد کے معاشرے اور تہذیبی احوال و آثار و واقعات و کوائف کا مستند تاریخی ریکاڈ ہے۔ بقول مولوی عبدالحق " مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ میر امن دہلوی نے اگرچہ 'باغ و بہار' کو ایک داستان کے طور پر پیش کیا ہے۔ جس میں بہت سا حصہ فرضی کرداروں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس پوری داستان میں وہ دہلی شہر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ جھلکتا دکھائی دے رہا ہے۔ جو خود میر امن کے دل میں موجود تھا۔''

6.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں

- آپ میر امن دہلوی کی داستان نگاری کی خصوصیات سے واقف ہوئے۔
- آپ میر امن دہلوی کے اسلوب، زبان اور اسکی دل کشی سے بھی واقف ہوئے۔
- آپ نے میر امن دہلوی کی داستان 'باغ و بہار' کی مقبولیت کے اسباب کو تلاش کیا۔
- آپ میر امن دہلوی کے زمانے کی ہندوستانی معاشرت سے متعارف ہوئے۔
- آپ میر امن کے توسط سے اس زمانے کی دہلوی تہذیب وتمدن سے بھی واقف ہوئے۔

6.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1 یوروپی دانشور ڈنکن فاربس نے 'باغ و بہار' کے پیش لفظ میں کیا خاص بات لکھی؟

2 سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید میں میر امن کے ادبی مرتبہ کو متعین کرتے ہوئے کیا خاص بات لکھی؟

3 'باغ و بہار' میں کس شہر کی معاشرت کی تصویریں ملتی ہیں؟

4 'باغ و بہار' کے حوالے سے میر امن کی زبان کی سادگی پر مختصر نوٹ لکھیے؟

5 'باغ و بہار' کی زبان کی خصوصیات مختصراً بیان کیجیے؟

6.6 سوالوں کے جوابات

1 یوروپی دانشور ڈنکن فاربس جس نے اپنی زندگی کے کئی اہم ماہ وسال 'باغ و بہار' کی تدوین واشاعت میں گزارے تھے، اردو نثر میں میر امن کا مرتبہ متعین کرتے ہوئے اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

''عطا حسین تحسین خاں نے 'نوطرز مرصع' کے عنوان سے اس (فارسی قصہ چہار درویش) کا ترجمہ تو کیا لیکن عربی و فارسی محاورات کی کثرت اور پر تکلف اسلوب کی بنا پر اسے زبان کے نمونے کی حیثیت سے پسند نہ کیا جاسکا۔ یہ قباحت دور کرنے کے لیے حوالۂ بالا ترجمہ سے میر امن دلّی والے نے جو کہ کالج سے وابستہ مقامی فضلا میں سے ہیں، اس کو قلم بند کیا اور ہندوستانی طالب علموں پر فوراً یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ اس نے کس خوش اسلوبی سے ریختہ کے محاوروں کی برتری کے ساتھ ساتھ اسلوب کی سادگی اور زبان کی صفائی کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جس سے زبان پر اس کی قدرت عیاں ہوتی ہے۔ کتاب میں مشرقی آداب و روایات کی دل خوش کن تفاصیل ملتی ہیں اور کوثر و تسنیم میں دھلی زبان اسے ایک حد تک اصل تصنیف بنا دیتی ہے۔ اس بنا پر ہندوستان کی اس مقبول زبان میں حالیہ شائع شدہ کتابوں میں یہ ایک کارآمد اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے''

2 سر سید احمد خاں 'آثار الصنادید' میں میر امن کے ادبی مرتبہ کو متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اردو نثر لکھنے والوں میں میر امن جس نے 'باغ بہار' لکھ سب پر فوق لے گیا، حقیقت میں نظم لکھتے ہیں جیسا کہ کمال میرؔ کو ہے نثر لکھنے میں ویسا ہی کمال میر امن کو ہے''

3 'باغ و بہار' میں دلی کی معاشرت کی بھرپور تصویریں ملتی ہیں۔ قصوں کے منظر فارس و عجم کے ضرور ہیں لیکن ان کی معاشرت دلی کے مغل دربار کی ہے۔ بقول مولوی عبدالحق، ''میر امن قصہ روم و شام چین و ایران لکھتے ہیں لیکن جب موقع آتا ہے تو ہمارے مرثیہ گو شاعروں کی طرح آداب و رسوم اپنے ہی دیس کے بیان کرتے ہیں۔''

4 میر امّن نے 'باغ و بہار' میں نہایت سادہ اور دل کش اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے 'باغ و بہار' کی زبان کی سادگی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پڑھنے والے کے ذہن پر کسی جگہ بھی اکتاہٹ اور تھکاوٹ کا بوجھ نہیں ڈالتی بقول کلیم الدین احمد، ''باغ و بہار کی سادگی سپاٹ نہیں اس میں ناگوار نیرنگی نہیں یہاں سادگی و پرکاری بیک وقت جمع ہیں۔''

زبان کو سادگی کے دائرے میں رکھنے والے کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ اس کی سادگی پر عمومیت اور بعض صورتوں میں عامیانہ پن کا سایہ نہ پڑ جائے۔ اکثر نثر نگاروں سے یہ لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ سید وقار عظیم ''ہماری داستانیں'' میں لکھتے ہیں، ''میر امن کے طرز بیان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی سادگی ہمیشہ عمومیت اور ابتذال کے داغوں سے پاک رہی ہے اس سادگی کی ایک تہذیبی سطح ہے اور میر امن کبھی اس تہذیبی سطح سے نیچے نہیں اترتے۔

5 'باغ و بہار' کی زبان کی سب سے اہم خصوصیت اس میں اعتدالی رویّے کا اپنایا جانا ہے۔ میرامن کی داستان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں عربی، فارسی کے الفاظ کم اور ٹھیٹ اردو کے الفاظ زیادہ ہیں میرامّن بدیسی الفاظ سے مرعوب ہو کر اپنے مقامی الفاظ کو نہیں بھولتے قدیم فارسی تشبیہوں اور استعاروں کے ساتھ ساتھ اپنے بے تکلف اور لطیف استعارات اور تشبیہات کو بھی بڑے قرینے سے جملوں میں پروتے ہیں۔ مقامی الفاظ کے لطیف اور مناسب استعمال نے میرامن کے یہاں اخلاقیات کو ادب کا جز بنا دیا ہے۔ وہ حکمت و دانش اور پند و نصیحت کی باتیں بھی اس خوبصورتی سے بیان کر جاتے ہیں کہ کانوں کی راہ سیدھی دل پر اثر کر جاتی ہیں۔ بقول سید وقار عظیم ''میرامن کو لفظوں پر قدرت ہے وہ آسان ہندوستانی لفظوں سے مرکبات بنا کر اور ہندوستانی کے معمولی الفاظ استعمال کر کے اپنی بات کا وزن اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔''

6.7 فرہنگ

معرکہ الآر	زابردست (معرکۃ الآر بھی مستعمل ہے)
بہرور	فائدہ اٹھانے والا
شایان شان	لائق، مرتبے کے مطابق
معاشقہ	عشق، عاشقی، محبت
متروک	جسے چھوڑ دیا جائے، چھوڑا ہوا، ترک کردہ، منقطع
پذیرائی	قبولیت، استقبال
سحر کاری	جادو، منتر، ٹونا، اثر، تاثیر، کشش کا کام
مرور ایام	دنوں کا گزرنا
طبع زاد	ذاتی کدوکاوش سے پیدا کیا ہوا، اپنا لکھا ہوا
محقق	تحقیق کرنے والا، کسی شے کی حقیقت دریافت کرنے والا، بات کو دلیل سے ثابت کرنے والا
مصنفین	مصنف کی جمع، تصنیف کرنے والے، کتابیں لکھنے والے لوگ
مترجمین	واحد مترجم، ترجمہ کرنے والے لوگ
سرگزشت	آپ بیتی، سر پہ گزرا ہوا، بیتا ہوا واقعہ، حالات زندگی، واردات، حال واحوال، سوانح عمری
بےنظیر	بےمثل، بےمثال، لاثانی
تالیفات	ترتیب دینے کا کام، مختلف مضامین (نظم ونثر) چن کر ترتیب دینے کا عمل، جمع کرنے کا کام
فوقیت	ترجیح، برتری، بلندی، افضلیت
خراج تحسین	کسی کے ہنر یا کمال کی تعریف، شکر گزاری کے کلمات، داد
نقد و تجزیہ	تنقید و تجزیہ
ریختہ	اردو جو مختلف زبانوں سے مل بنی (اردوئے قدیم)

تسنیم	جنت کے ایک چشمے یا نہر کا نام
مستند	سند یا تصدیق کیا ہوا، معتبر، مصدقہ، استناد کے قابل
تغیرات	تبدیلیاں
اعجاز	فرق عادت جو منکرین کو قائل کرنے کے لیے انبیا سے ظہور میں آئے، معجز؛ وہ حیرت انگیز بات جو معجزہ سی معلوم ہو، کرشمہ
لغزش	لرزش، پھسلن، لڑکھڑاہٹ، (مجازاً) عدم استقلال، جگہ سے ہٹنا۔ خطا، نسیان، بھول چوک۔ بے راہ روی، گمراہی۔ نقص، عیب، غلطی، بہکنا
ابتذال	اخلاقی پستی۔ کمینہ پن۔ عمومیت یا کثرت استعمال جس سے اہمیت گھٹ جائے۔ نظم و نثر کا عامیانہ رکیک انداز، فرسودہ اور پامال مضامین و الفاظ کا استعمال
ناگزیر	جس کے علاوہ چارہ کار نہ ہو، جس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ ہو، اٹل ضروری
روش	طور طریقہ، ڈھنگ
دانش	عقل مندی، دانائی، سمجھ؛ فکر، رائے
پند و نصیحت	نصیحت، ہدایت، بھلی بات
روزمرہ	بول چال، روزانہ کی عام بات چیت کا اسلوب۔ روزانہ کا معمول، عام بات
متوازن	وزن میں برابر، جس میں توازن ہو، معتدل، موزوں، متناسب
مزین	زینت دینے والا (مجازاً) رونق بخشنے والا، رونق افروز
آشنا	دوست، رفیق، ساتھی، شخص جو روشناس ہو، جانا پہچانا، جس سے شناسائی ہو۔ مانوس
لسان	زبان، بولی
دل فریبی	دل کو لبھانے کا عمل یا کیفیت، دلکشی۔
متحرک	حرکت کرنے والا، چلتا پھرتا، ہلنے والا، جنباں، رواں، جاری۔ (مجازاً) سرگرم عمل
چشمہ	زمین سے پانی نکلنے کی جگہ، پانی کا سوتا، منبع، چوپا
تقلید	پیروی، نقل، کسی کے قدم بہ قدم چلنا۔ کسی مجتہد یا فقہی مسلک کی پیروی کرنا یا اس کے احکام پر عمل کرنا
نقوش	علامات، نشانات (بالعموم تراکیب میں مستعمل)
فارس	ملک ایران کا قدیم نام، ملک ایران کا ایک علاقہ تھا پھر پورے ایران کو فارس کہنے لگے
جلوہ افروز	ظاہر، نمودار، رونق افروز، تشریف فرما
محل سرا	بادشاہوں، نوابوں اور رئیسوں کا زنان خانہ، حرم سرا، محل، زنانہ مکان کی پاسبان، محل دار
نشین	مرکبات میں بطور جز دوم، بیٹھنے والا کے معنی میں مستعمل، جیسے، خاک نشیں، گدی نشین، پردہ نشیں، گوشہ نشیں وغیرہ۔
قواعد	جملے یا الفاظ کی ترتیب جو اہل زبان کے طریق استعمال کے مطابق ہو اور جسکے خلاف فصاحت کے خلاف ہو مثلاً پان سات پر قیاس کر کے چھ آٹھ یا آٹھ چھ بولا جائے تو روزمرّہ کے خلاف

	ہوگا اسی طرح بلا ناغہ کی جگہ بے ناغہ اور روز روز کی جگہ دن دن یا آئے دن کی جگہ آئے روز کہنا خلاف روزمرّہ ہے۔ کیونکہ اہلِ زبان اس طرح نہیں بولتے۔
عجم	عرب کے سوا کسی دوسرے ملک کے لوگ، غیر عرب، گونگا، ژولیدہ بیان (عرب دوسرے ملکوں کے لوگوں کو فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہیں سمجھتے تھے اس لیے غیر عرب کو عجم اور وہاں کے رہنے والے کو عجمی کہتے تھے)
شہ	شاہ کا مخفف، بادشاہ، سلطان، ملک۔ مرکبات میں بطور سابقہ استعمال ہوتا ہے۔ اور اسم مکبر بنانے میں مدد دیتا ہے، جیسے شہ رگ، شہ پر وغیرہ نیز بہتر اور برتر کے معنی بھی دیتا ہے۔ (ماخوذ: وضع اصطلاحات)
دستاویز	کوئی اہم تحریر، یادداشت، اقرار جو آئندہ حوالے کے لیے مفید ہو۔ وہ کاغذ جو دو یا کئی لوگوں کے مابین کسی معاملے میں بطور سند لکھا جائے، تمسک، اقرار نامہ، راضی نامہ۔

6.8 کتب برائے مطالعہ

باغ و بہار (تحقیق وتنقید کے آئینہ میں)	مقدمہ سلیم اختر ا	اعجاز پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی
اردو داستان: تحقیق وتنقید	قمر الہدیٰ فریدی	علی گڑھ
داستان سے افسانے تک	وقار عظیم	طاہر بک ایجنسی قاسم جان اسٹریٹ، دہلی، ۱۹۷۲ء
اردو داستان (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر سہیل بخاری	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء
اردو کی نثری داستانیں	گیان چند جین	اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، ۱۹۸۷ء
اردو زبان اور فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد	ادارۂ فروغِ اردو، امین آباد، لکھنو
ہماری داستانیں	وقار عظیم	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئیوالان، نئی دہلی
داستان سے ناول تک	ابن کنول	ایس این لینگویج اکیڈمی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۰۰۳ء
میرامن (مونوگراف)	ابن کنول	اردو اکادمی دہلی ۲۰۱۲ء
باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ نقوی	اردو پبلشرز تلک مارگ لکھنو ۱۹۷۸ء
فرہنگِ باغ و بہار	ساجدہ قریشی	اسلامک ونڈرس بیرونئی دہلی ۲۰۱۵ء
داستان کی جمالیات (اردو کی نثری داستانیں)	ابن کنول	M.R. Publications New Delhi 2020

اکائی نمبر 7 باغ و بہار اور اس کا ماخذ-نوطرز مرصع

ساخت

7.1 اغراض و مقاصد

7.2 تمہید

7.3 باغ و بہار اور اس کا ماخذ۔نوطرز مرصّع

7.2.1 میر امّن دہلوی

7.2.2 قصہ چہار درویش کی روایت

7.2.3 باغ و بہار اور اس کا ماخذ-نوطرز مرصّع

7.2.4 تحسین اور ان کی کتاب نوطرزِ مرصّع

7.2.5 باغ و بہار کے امتیازی پہلو

7.4 آپ نے کیا سیکھا

7.5 اپنا امتحان خود لیجیے

7.6 سوالوں کے جوابات

7.7 فرہنگ

7.8 کتب برائے مطالعہ

7.1 اغراض و مقاصد

اس اکائی میں

- آپ میر امّن کے حالاتِ زندگی سے واقف ہوں گے۔
- آپ نوطرز مرصّع کے مؤلف میر محمد حسین عطا خاں تحسین سے متعارف ہوں گے۔
- آپ 'نوطرز مرصّع' کی نثر سے روشناس ہوسکیں گے۔
- آپ 'نوطرز مرصّع' اور 'باغ و بہار' کے امتیازات سے واقف ہوں گے۔

7.2 تمہید

اردو کی زیادہ تر داستانیں عربی، فارسی سے ماخوذ ہیں یا ان کا ترجمہ ہیں۔ بعض داستانوں پر سنسکرت اور ہندی کے مقبول قصوں کے اثرات بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ترجمہ اور تالیف کی یہ روایت سترھویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر بیسویں صدی عیسوی کے ربع اول تک جاری رہی۔

اردو کی پہلی قابلِ ذکر نثری داستان دکن کے ملا وجہی کی 'سب رس' ہے جس کا سنہ تالیف 1635ء ہے۔ دکن کے علاوہ شمالی ہند میں جو طویل یا مختصر داستانیں لکھی گئیں ان میں قصہ مہر افروز و دلبر، نوطرز مرصّع، نو آئینِ ہندی، عجائب القصص، باغ و بہار، آرائشِ محفل، رانی کیتکی کی کہانی، فسانۂ عجائب، داستانِ امیر حمزہ اور بوستانِ خیال وغیرہ اہم داستانیں ہیں۔

ان تمام داستانوں میں 'باغ و بہار' کئی اعتبار سے اہم ہے۔ اردو کی مقبول ترین کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کا سنہ اشاعت 1802ء ہے اور آج اکیسویں صدی کی دو دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کی مقبولیت برقرار ہے۔ بار بار شائع ہو رہی ہے، پڑھی جا رہی ہے اور درس گاہوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ اس اکائی میں ہم اسی مشہورِ زمانہ داستان اور اس کے ماخذ کے بارے میں بعض ضروری معلومات حاصل کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں میر امن کے بارے میں جان لینا چاہیے کہ وہ کون تھے اور کن حالات میں انھوں نے یہ داستان قلم بند کی۔ یہ باتیں آپ جانتے ہیں لیکن ان کا اعادہ بھی ضروری ہے۔

7.3 باغ و بہار اور اس کا ماخذ۔ نوطرز مرصّع

7.2.1 میر امّن دہلوی:

اردو کے نامور ادیبوں میں میر امن کا شمار ہوتا ہے۔ وہ شاعر بھی تھے اور لطف تخلص کرتے تھے۔ افسوس کہ ان کی زندگی کے بارے میں ہماری معلومات محدود ہیں۔ خود میر امن نے 'باغ و بہار' کے دیباچے میں اپنے جو حالات بیان کیے ہیں ان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ میر امن محمد شاہ کے زمانے (1719-1748ء) میں پرانی دلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے آبا و اجداد ہمایوں کے عہد سے مغلیہ سلطنت سے وابستہ رہے۔ انھیں عہدے بھی ملے اور جاگیریں بھی۔ سورج مل جاٹ نے 1753ء میں جاگیر ضبط کر لی اور 1760ء میں احمد شاہ درانی کے حملے میں میر امن کا گھر تباہ ہو گیا تو مجبوراً تلاشِ معاش میں انھیں دلی سے باہر نکلنا پڑا۔ وہ 61-1760ء میں مع اہل و عیال عظیم آباد (پٹنہ) پہنچے۔ کئی سال عظیم آباد میں مقیم رہنے کے بعد 1799ء میں اہلِ خاندان کو وہیں چھوڑ کر کلکتہ کا رخ کیا۔ کلکتے میں وہ چند دنوں بے روزگار رہے۔ پھر نواب دلاور جنگ کے چھوٹے بھائی محمد کاظم خاں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ کم و بیش دو سال تک نواب صاحب سے وابستہ رہے۔ پھر میر بہادر علی حسینی کے ذریعے ڈاکٹر جان گل کرسٹ تک رسائی حاصل کی اور فورٹ ولیم کالج میں ملازمت چاہی۔ عرضی قبول ہوئی اور مئی 1801ء میں فورٹ ولیم کالج میں چالیس روپے ماہوار پر ماتحت منشی مقرر ہوئے۔

فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے زمانے میں ہی انھوں نے 1802ء میں 'باغ و بہار' مکمل کی اور ملا واعظ حسین کاشفی کی فارسی تصنیف ''اخلاقِ محسنی'' کا ''گنج خوبی'' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔

پانچ برس تک فورٹ ولیم کالج میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد 1806ء میں بہ وجہ ضعیفی، ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ سبک دوشی کے بعد کا زمانہ انھوں نے کس طرح گزارا اور کب وفات پائی، اس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

7.2.2 قصہ چہار درویش کی روایت:

میر امن نے باغ و بہار کے دیباچے میں قصہ چہار درویش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یہ قصہ چہار درویش کا، ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زر بخش، جو اُن کے پیر تھے اور درگاہ ان کی دلّی میں قلعے سے تین کوس، لال دروازے کے باہر، مٹیا دروازے سے آگے، لال بنگلے کے پاس ہے، ان کی طبیعت ماندہوئی؛ تب مرشد کے دل میں بہلانے کے واسطے، امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمار داری میں حاضر رہتے۔ اللہ نے چند روز میں شفادی۔ تب انھوں نے غسلِ صحت کے دن دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سنے گا، خدا کے فضل سے تندرست رہے گا۔ جب سے یہ قصہ فارسی میں مروّج ہوا''۔(میر امن: باغ و بہار، مرتّبہ ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی۔ ص ۳۲)

معلوم نہیں، میر امن تک یہ روایت کہاں سے پہنچی۔ بہر حال محققین کے نزدیک اس روایت کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ چار درویشوں کے اس قصے کو امیر خسرو سے منسوب کرنا محض غلط فہمی ہے۔

7.2.3 باغ و بہار اور اس کا ماخذ –نوطرز مرصّع:

باغ و بہار میں چار درویشوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے، یہ بات ہمیں معلوم ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ قصہ چہار درویش فارسی کا ایک مقبول قصّہ ہے جسے کئی صاحبانِ قلم نے اپنے اپنے طور پر فارسی میں رقم کیا ہے۔ اردو میں میر امن سے قبل میر محمد حسین عطا خاں تحسین ''نوطرز مرصّع'' کے نام سے اس قصّے کو قلم بند کر چکے تھے۔ میر امن نے تحسین کی اسی کتاب کو سامنے رکھ کر ''باغ و بہار'' لکھی۔ چنانچہ جب پہلی بار ''باغ و بہار'' چھپی تو اس کے سر ورق پر یہ وضاحت بھی کر دی گئی تھی کہ:

''باغ و بہار تالیف کیا ہوا میر امن دلی والے کا۔ ماخذ اس کا نوطرز مرصّع کہ وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہے فارسی قصّہ چہار درویش سے''

اس تحریر کی روشنی میں یہ بات حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ میر امن کا ماخذ تحسین کی ''نوطرزِ مرصّع'' ہے۔ بعد میں ناشروں نے یہ عبارت حذف کر دی۔ جب مولوی عبدالحق نے 'باغ و بہار' کو مرتّب کرنے کا ارادہ کیا تو اُن کے سامنے ایک ایسا ہی نسخہ تھا جس میں میر امن کے ماخذ کا ذکر نہ تھا۔ مولوی صاحب نے سمجھا کہ میر امّن نے جان بوجھ کر اپنے ماخذ کی نشان دہی نہیں کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے متعدد مثالوں سے واضح کیا کہ میر امن کا ماخذ تحسین کی نوطرز مرصّع ہے۔

بہر حال اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''باغ و بہار'' تحسین کی 'نوطرزِ مرصّع' کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تحسین کون تھے اور ان کی کتاب ''نوطرزِ مرصّع'' کس طرح پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

7.2.4 تحسین اور ان کی کتاب نوطرزِ مرصّع :

باغ و بہار میں ''نوطرزِ مرصّع'' کے مصنف کا نام عطاحسین خاں بتایا گیا ہے۔ محمد حسین آزاد نے بھی ''آبِ حیات'' میں یہی لکھا ہے۔ لیکن نوطرزِ مرصّع کے مرتب ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کی وضاحت کے مطابق تحسین کا درست نام ''میر محمد حسین عطا خاں'' تھا۔ تحسین ان کا تخلص تھا۔ وہ اٹاوہ کے رہنے والے تھے۔ اٹھارھویں صدی عیسوی کے قلم کاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مرصّع رقم ان کا خطاب تھا۔ وہ اردو کے علاوہ فارسی کے بھی عالم تھے۔ چنانچہ دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ فارسی میں ان کی کئی تصانیف ہیں۔ اردو ادب کے طالب علم انھیں ان کی کتاب ''نوطرزِ مرصّع'' کی وجہ سے جانتے ہیں۔

تحسین کے بیان کے مطابق اس داستان کو تحریری شکل میں پیش کرنے کا خیال ایک سفر کے دوران ان کے ذہن میں آیا۔ وہ ایک کشتی میں جنرل اسمتھ کے ساتھ کلکتہ جارہے تھے کہ راستے میں کسی عزیز نے چار درویش کا قصہ سنانا شروع کیا۔ تحسین کو قصہ پسند آیا۔ انھوں نے اسے اردو میں تحریر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح دورانِ سفر ہی 'نو طرز مرصّع' کا آغاز ہو گیا۔ کلکتہ پہنچنے کے کچھ دنوں بعد تحسین کو ملازمت کے سلسلے میں عظیم آباد (پٹنہ) جانا پڑا اور بعض نئی مصروفیات کے سبب داستان لکھنے کا کام رک گیا۔ اسی درمیان ان کی نوکری جاتی رہی۔ تلاشِ معاش میں وہ عظیم آباد سے فیض آباد پہنچے۔ فیض آباد میں نواب شجاع الدولہ تک کسی طرح رسائی حاصل ہوئی اور نواب کو 'نو طرز مرصّع' کے کچھ حصے سنانے کا موقع بھی ملا۔ شجاع الدولہ نے قصہ مکمل کرنے کا حکم دیا۔ تحسین تعمیلِ حکم میں مصروف ہوئے۔ لیکن مکمل داستان نواب شجاع الدولہ کی خدمت میں پیش کرنے کا موقع نصیب نہ ہو سکا۔ ابھی تحسین ارادہ کر ہی رہے تھے کہ نواب اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ چنانچہ ان کے جانشیں نواب آصف الدولہ کی خدمت میں ''نوطرزِ مرصّع'' پیش کی گئی۔

تحسین نے 1768ء میں کلکتے کا سفر کیا تھا اور 1775ء میں آصف الدولہ کا انتقال ہوا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ نوطرزِ مرصّع 1768ء سے 1775ء کے درمیان پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

اُن دِنوں اردو نثر پر فارسی کے اثرات غالب تھے۔ مشکل الفاظ و تراکیب کو استعمال کرنا اور بیان کو پیچیدہ بنا کر پیش کرنا کمالِ فن سمجھا جاتا تھا۔ تحسین نے بھی ''نوطرزِ مرصّع'' میں اسی اندازِ نگارش کی پیروی کی۔ درج ذیل اقتباس سے ان کے طرزِ تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

> ''بیچ سرزمینِ فردوس آئینِ ولایتِ روم کے ایک بادشاہ تھا، سلیماں قدر، فریدوں فر، جہاں بان، دین پرور، رعیت نواز، عدالت گستر، برآرندۂ حاجاتِ بستہ کاراں، بخشندۂ مُراداتِ امیدواراں، فرخندہ سیر نام کہ اشعہ شوارق فضلِ ربّانی کا اور شعشہ بوارق فیضِ سبحانی کا ہمیشہ اوپر لوحِ پیشانی اس کے لمعاں و نور افشاں رہتا لیکن شبستانِ عمر و دولت اس کے کا، فروغِ شمعِ زندگانی کے سے کہ مقصد فرزندِ ارجمند سے ہے، روشنی نہ رکھتا تھا۔ اس سبب سے ہمیشہ غنچۂ خاطر اس کے کا بادِ سموم اس فکرِ دل خراش کے سے افسردہ رہتا''۔ (تحسین: نوطرزِ مرصّع، مرتبہ پروفیسر نورالحسن ہاشمی، ص۶۹، باردوم، ۱۹۷۸ء)

مندرجہ بالا سطروں میں سلیماں قدر، فریدون فر، جہاں بان، دین پرور، رعیت نواز، عدالت گستر جیسی ترکیبوں کو پڑھتے ہوئے یقیناً آپ نے الجھن محسوس کی ہوگی۔ لیکن اس اقتباس میں ان ترکیبوں سے بھی زیادہ مشکل الفاظ اور

تراکیب موجود ہیں۔مثلاً: برآرندۂ حاجاتِ بستہ کاراں، بخشندۂ مراداتِ امیدواراں، وغیرہ۔انھیں تو استاد کی مدد کے بغیر آسانی سے پڑھا بھی نہیں جا سکتا۔

اس عبارت کے مطالعے کے دوران آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہوگا کہ تحسین کثرت سے توصیفی الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اضافت کے اظہار کے لیے ''کا، کے سے'' وغیرہ لاتے ہیں۔

جب ہم 'نوطرزِ مرصّع' کا مطالعہ کرتے ہوئے مزید آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں بہت سے ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جو اَب متروک ہو چکے ہیں۔مثلاً سیتی (بہ معنی: سے)، تلک (بہ معنی: تک)، کہوں (بہ معنی: کہیں) وغیرہ۔

تحسین نے موقع موقع سے ہندی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں اور دوہے وغیرہ بھی پیش کیے ہیں۔مثلاً:

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو، جب دانت دیے، کا انّ نہ دیہے
جوجل میں تھل میں پنچھی پش کی سدھ لیت، سوتیری ہولیہے
کاہے کو سوچ کرے من مورکھ، سوچ کرے کچھ ہاتھ نہ ایّہے
جان کو دیت، آجان کو دیت، جہان کو دیت، سو تو ہو کو دیہے

انھیں کثرت سے اساتذہ کے اشعار درج کرنے کا بھی شوق ہے۔ان کی نثر کے مقابلے میں یہ اشعار بالعموم آسان ہوتے ہیں۔مثلاً:

کون ہے جس سے کہوں حال دل آزادی کا
درد و بے طاقتی و رنج گرفتاری کا
باعثِ رقت جاں سوزِ دل افگاری کا
سبب عاجزی و موجب لاچاری کا
غم جو گزرے ہے مرے دل پہ بیاں کیجے
پر جہاں بس نہ چلے، ہائے وہاں کیا کیجے

''نوطرزِ مرصّع'' پر اس مختصر گفتگو کے بعد اب یہ دیکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''باغ و بہار'' کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جو اسے نوطرزِ مرصّع سے ممتاز کرتی ہے۔

7.2.5 باغ و بہار کے امتیازی پہلو:

باغ و بہار پر ایک نظر ڈالتے ہی ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ میر امن کی زبان بوجھل الفاظ و تراکیب سے پاک ہے۔جس بات کو نوطرزِ مرصّع میں مشکل زبان میں پیش کیا گیا ہے، اسی خیال کو میر امن اس طرح ادا کرتے ہیں کہ اردو کا عام قاری بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔نمونے کے طور پر نوطرز مرصّع اور ''باغ و بہار'' کے درجِ ذیل اقتباسات دیکھیے:

پہلے نوطرز مرصّع کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

''جس وقت زلف خاتونِ شب کی کمر تک پہنچی اور چشم خلائق کی، خمار نشۂ غنودگی کے سے سرمست خوابِ غفلت کے ہوئی، یکا یک ایک صندوقِ چوبیں فراز دیوارِ حصار کے سے مانند خورشید کے برجِ حمل کے سے جلا بخش دیدۂ تماش بیں کا ہوا۔ فقیر واردات اس عجائبات کے سے کمال متعجب ہوا کہ آیا یہ خیال طلسمات کا ہے یا مسبب الاسبابِ حقیقی نے اوپر اس بے کس کے نظر ترحم کی فرما کے خزانۂ غیب سے دولتِ غیر مترقب مرحمت کی۔''
(نوطرز مرصّع، مرتّبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، ص ۲۳)

یہی واقعہ باغ و بہار میں اس طرح سپردِ قلم کیا گیا ہے:

''جس وقت آدھی رات اِدھر اور آدھی رات ادھر ہوئی، سنسان ہو گیا، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار سے نیچے چلا آتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں اچنبھے میں ہوا کہ یہ کیا طلسم ہے! شاید خدا نے میری حیرانی و سرگردانی پر رحم کھا کر خزانہ غیب سے عنایت کیا۔''
(باغ و بہار مرتّبہ ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی، ص ۴۹)

ایک اور موقعہ پر بادشاہ آزاد بخت کے ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے:

''مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحبِ ملک و خزانہ اِس زمین پر پیدا ہوئے لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لاکر خاک میں ملا دیا۔ یہ کہاوت ہے۔

چلتی چکّی دیکھ کر دیا کبیرا رو
دو پاٹن کے بیچ آ، ثابت گیا نہ کو

''اب جو دیکھیے سوائے ایک مٹّی کے ڈھیر کے، ان کا کچھ نشان باقی نہیں رہا اور سب دولتِ دنیا، گھر بار، آل اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر اکیلے پڑے ہیں۔ یہ سب ان کے کچھ کام نہ آیا بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا کہ یہ کون تھے اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں کہ کیڑے مکوڑے، چیونٹے، سانپ ان کو کھا گئے یا ان پر کیا بیتی اور خدا سے کیسی بنی!'' (باغ و بہار، ص ۴۲)

آپ نے دیکھا، میر امّن نے کس طرح اپنی بات کہی ہے۔ عام بول چال کی یہ وہی زبان ہے جس کی گل کرسٹ نے سفارش کی تھی۔

اگلی اکائی میں جب آپ باغ و بہار کے مزید اقتباسات کا مطالعہ کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ میر امن کے یہاں عوام و خواص کے روزمرہ کے علاوہ جا بجا ہندی الفاظ بھی ہیں اور ایسے الفاظ بھی جن سے آج ہمارے کان آشنا نہیں لیکن ان کا اندازِ بیان اتنا دل کش اور زبان اتنی رواں ہے کہ قاری کو کہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ میر امن نے نوطرزِ مرصّع سے قصہ تو لیا ہے مگر اسے بیان کرتے ہوئے، اپنی راہ الگ بنائی ہے۔

7.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں

- آپ میر امّن کے حالاتِ زندگی سے واقف ہوئے۔
- آپ محمد حسین عطا خاں تحسین کی حیات کے بعض پہلوؤں سے روشناس ہوئے۔
- آپ کو نوطرزِ مرصّع کی تصنیف سے متعلق ضروری باتیں معلوم ہوئیں۔
- آپ نوطرزِ مرصّع کے اسلوب سے متعارف ہوئے۔
- آپ 'نوطرزِ مرصّع' اور 'باغ و بہار' کے امتیازات سے واقف ہوئے۔

7.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1- 'باغ و بہار' سے قبل ''قصۂ چہار درویش'' کو اردو میں کس نے تحریر کیا تھا؟

2- باغ و بہار' کس مقصد سے لکھی گئی تھی؟

3- تحسین کا درست نام کیا ہے؟ ان کا خطاب کیا تھا؟

4- 'نوطرزِ مرصّع' کا زمانۂ تصنیف کیا ہے؟

5- 'نوطرزِ مرصّع' کی تکمیل کے بعد اسے کس نواب کی خدمت میں پیش کیا گیا؟

6- 'نوطرزِ مرصّع' کی زبان کیسی ہے؟

7- میر امن نے لکھا ہے کہ قصۂ چہار درویش امیر خسرو نے حضرت نظام الدین اولیا کو سنایا تھا۔۔۔ یہ روایت درست ہے یا غلط؟

8- باغ و بہار، تحسین کی نوطرزِ مرصّع سے کن معنوں میں مختلف ہے؟

7.6 سوالوں کے جوابات

1- ''باغ و بہار'' سے قبل، فارسی قصۂ چہار درویش کو عطا حسین خاں تحسین نے ''نوطرزِ مرصّع'' کے نام سے اردو میں منتقل کیا تھا۔

2- ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازمین کو اردو / ہندوستانی سکھانے کی غرض سے کلکتہ میں 1800ء میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا تھا۔ اس ادارے میں جو کتابیں ترجمہ یا تالیف ہوئیں، وہ اسی نقطۂ نظر سے لکھی گئی تھیں۔ ''باغ و بہار'' بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کو اردو سکھانے اور ہندوستانی معاشرے کے رسم و رواج سے آگاہ کرانے کے مقصد سے تحریر کی گئی تھی۔

3- ''آبِ حیات''، میں محمد حسین آزاد نے تحسین کا نام عطا حسین خاں لکھا ہے۔ لیکن ان کا درست نام میر محمد حسین عطا خاں تھا۔ تحسین تخلص تھا اور مرصّع رقم خطاب تھا۔

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

4- 'نوطرز مرصّع' کا آغاز 1768ء میں ایک سفر کے دوران ہوا تھا۔لیکن بعض اسباب کی بنا پر تحسینؔ یک سوئی سے اپنا تصنیفی کام جاری نہ رکھ سکے۔ بالآخر جب انھیں شجاع الدولہ کی سر پرستی حاصل ہوئی تو فکرِ معاش سے آزاد ہو کر داستان لکھنے کا موقع ملا اور 1775ء میں نوطرزِ مرصّع مکمل ہوگئی۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''نوطرزِ مرصّع'' کا زمانۂ تصنیف 1768ء تا 1775ء ہے۔

5- 'نوطرزِ مرصّع' کی تکمیل کے بعد تحسین نے اسے شجاع الدولہ کے جانشین نواب آصف الدولہ کی خدمت میں پیش کیا۔

6- 'نوطرزِ مرصّع' کی زبان مشکل ہے۔اس میں فارسی وعربی الفاظ وتراکیب کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے، جا بجا اساتذہ کے اشعار درج کیے گئے ہیں اور ہندی الفاظ اور دوہے بھی حسبِ ضرورت پیش کیے گئے ہیں۔

7- یہ روایت درست نہیں ہے۔امیر خسرو نے حضرت نظام الدین اولیا کو قصۂ چہار درویش سنایا ہو، ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی۔اس لیے میر امن کی روایت غلط فہمی پر مبنی ہے۔

8- باغ وبہار میں قصہ تو تحسین کی نوطرزِ مرصّع سے لیا گیا ہے لیکن میر امن کا اسلوبِ نگارش تحسین سے مختلف ہے۔

تحسین کی زبان گنجلک ہے۔عربی، فارسی کے مشکل الفاظ وتراکیب کے غیر ضروری استعمال کی وجہ سے نوطرزِ مرصّع کی نثر بوجھل ہوگئی ہے۔اس کے برعکس میر امن کی زبان آسان، سلیس اور رواں ہے۔

7.7 فرہنگ

تالیف	ترتیب دینا، کسی دوسرے کی تصنیف یا کتاب کو ترتیب دینا
ترجمہ	ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا، بیانِ مضمون بزبانِ دیگر
اعادہ	کسی بات کا ازسرِنو تازہ کرنا یا ہونا، کسی بات کا دوبارہ کہنا یا کرنا
جاگیر	وہ قطعۂ زمین یا گاؤں جو بادشاہوں یا نوابوں کی طرف سے دیا جائے
ضبط کرنا	قُرق کرنا، چھیننا
اہل وعیال	بال بچے، عیال واطفال
مقیم رہنا	قیام کرنا
اتالیق	تربیت دینے والا، معلّم، استاد
رسائی حاصل کرنا	قربت حاصل کرنا
.سبک دوش ہونا	کنارہ کش ہونا، علیحدگی اختیار کرنا، فراغت پالینا، مُدّتِ متعیّنہ کے بعد مُلازمت سے فارغ ہونا، ذِمہ داری سے فارغ ہونا
دیباچہ	تمہیدِ کتاب، کتاب کا مقدمہ
طبیعت کا ماند ہونا	طبیعت ناساز ہونا، طبیعت میں بھاری پن ہونا؛ طبیعت میں فکر واندیشہ پیدا ہونا

مرشد	سیدھا راستہ دکھانے والا شخص، ہادی
غسلِ صحت	بیماری سے صحت پا کر نہانا
تندرست	جِس کو کوئی بیماری نہ ہو
مروّج	رواج دیا گیا، رائج الوقت؛ جاری، مستعمل۔
قلم بند کرنا	تحریر میں لانا، لکھا جانا، درج کرنا
سرورق	کتاب کا سرنامہ، ٹائٹل پیج
ماخذ	خذ کرنے یعنی لینے کی جگہ، وہ جگہ جہاں سے کوئی چیز نکلے
حتمی طور پر	مستقل، مضبوط۔ جیسے حتمی وعدہ، لازمی، یقینی، پُختہ، قطعی
نشر	افشائے خبر
مرتّب	تالیف کیا گیا، اکٹھا کیا گیا، درست کیا گیا، باقاعدہ
متعدد	بہت سے
تعمیل حکم	حکم کا بجالانا، فرمان کی بجا آوری کرنا (کرنا ہونا کے ساتھ)
نگارش	رشحہ قلم، تحریر
توصیفی	تعریفی، وصفی، خوبی بیان کرنا، ستائش، مدح
متروک	ترک کیا ہوا، وہ لفظ جو پہلے استعمال ہوتا تھا مگر اب نہ ہو
طلسم	جادو یا منتر کے زور سے آباد کی ہوئی دنیا، جادو، ٹونا، افسوں، سحر، شعبدہ گری، حیرت میں ڈالنے والا منظ
صندوق	لکڑی یا لوہے وغیرہ سے بنا ہوا بڑا بکس.
سیتی	(بہ معنی: سے)
تلک	(بہ معنی: تک)
کہوں	(بہ معنی: کہیں)

7.8 کتب برائے مطالعہ

اردو داستان: تحقیق وتنقید	قمر الہدی فریدی	علی گڑھ
داستان سے افسانے تک	وقار عظیم	طاہر بک ایجنسی قاسم جان اسٹریٹ، دہلی، ۱۹۷۲ء
باغ وبہار (تحقیق وتنقید کے آئینہ میں)	مقدمہ سلیم اختر ا	اعجاز پبلشنگ ہاوس نئی دہلی
اردو داستان (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر سہیل بخاری	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

میرامن دہلوی کا فن (حصہ اول)	اردو کی نثری داستانیں	گیان چند جین	اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، ۱۹۸۷ء
	ہماری داستانیں	وقار عظیم	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئیوالان، نئی دہلی
	داستان سے ناول تک	ابن کنول	ایس این لینگویج اکیڈمی جامعہ نگر نئی دہلی ۲۰۰۳ء
	میرامن (مونوگراف)	ابن کنول	اردو اکادمی دہلی ۲۰۱۲ء
	باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضی نقوی	اردو پبلشرز تلک مارگ لکھنو ۱۹۷۸ء
	اردو کی نثری داستانیں	ابن کنول	

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY